وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا

جو کچھ تمہیں رسول دیں اسے پکڑ لو جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انما تخافون ان تعذبوا ان یخسف بکم ان تقولوا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فلان (دارمی)

اختلافِ اُمّت کا المیہ

مکمل

بہ ترمیم و اضافہ

دوسرا ایڈیشن

جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اہل سنّت والجماعت کون لوگ ہیں اور جو فرقے آج اپنے آپ کو اہل سنّت والجماعت کہلانے کے مدّعی ہیں وہ سوادِ اعظم سے کٹ کر مختلف ائمہ کی تقلید کرنے کی وجہ سے حنفی شافعی مالکی اور حنبلی ہیں۔ بنیادی طور پر کسی وقت اہل سنّت والجماعت تھے مگر اس وقت صرف اہل حدیث ہی اہل سنّت والجماعت کہلانے میں حق بجانب ہیں۔ نیز فتنہ انکارِ حدیث، مرزائیت اور کمیونزم یا سوشلزم وغیرہ کو بھی بالواسطہ تقلیدی موشگافیوں نے ہی تقویت پہنچائی ہے۔

فیض عالم

بار اوّل ۱۹۶۹ء	ایک ہزار
بار دوم ۱۹۷۹ء	ایک ہزار
قیمت	55/-
ناشر	محمد عبد المنعم
طابع	فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

ملنے کے پتے :

۱۔ حکیم فیض عالم صدیقی جامع اہلحدیث محلہ مستریاں جہلم

۲۔ فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

نوٹ :- کتاب پڑھ کر واپس کریں

شکریہ

انتساب

دوپہر کا وقت، اساڑھ کا مہینہ، لُو کے بگولے، سورج آسمان سے آگ برسا رہا ہے۔ سطح ارضی کرّہ نار بنی ہوئی ہے ایک پیرمرد ریل سے یابو پر سوار ایک بڑ کے درخت کے نیچے پہنچ کر یابو سے اُترتے ہیں۔ ان کے ساتھ دو تین مسکین طبع سے درویش بھی ہیں مگر وہ خود یابو سے زین اُتار کر بوسیدہ سی رسی کی لگام اس کے گلے میں لپیٹ کر اسے کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک ساتھی کنوئیں سے پانی نکالتا ہے۔ دوسرا ایک تھیلے سے روٹی کے چند ٹکڑے نکال کر رومال پہ رکھ دیتا ہے۔ پیرمرد نہایت سکون اور وقار سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ما حضر تناول کرتے ہیں۔ سائے میں بیٹھے ہوئے دیہاتی دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔

ایک بولا: عجب مسافر ہیں نہ کسی سے کچھ مانگتے ہیں نہ کچھ پوچھتے ہیں۔ **دوسرا بولا:** کوئی پیر ہوگا اور بنکر دکھانا چاہتا ہوگا۔ **تیسرے نے کہا:** یار مجھے تو کوئی اللہ والا نظر آتا ہے۔ **چوتھے نے** تحریک کی آؤ خود چل کر پوچھتے ہیں۔

اس عرصہ میں پیرمرد بھی چند لقمے لیکر ٹھنڈا پانی پی کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ دیہاتیوں کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی پیرمرد نے کہنا شروع کیا :

"بھائیو! اللہ کو ایک جانتے ہو تو اُسے ایک مانو۔ نبی علیہ السلام کی سنت پر عمل کرو۔ شادی بیاہ، پیدائش اور موت پر بیہودہ خرچ نہ کرو۔ قبر پرستی اور پیر پرستی سے بچو۔ جو مانگنا ہے صرف اللہ سے مانگو۔ عزّت، ذلّت، زندگی، موت، تنگی، فراخی سب اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔"

پیرمرد یہ کہہ کر اپنا راستہ لیتے ہیں۔

کوئی نہیں جانتا یہ بوڑھا کہاں سے آیا ہے۔ کہاں جا رہا ہے۔ البتہ اس کے جانے کے بعد ایک بولا: بڑے میاں نے باتیں تو سچّی کی ہیں۔

دوسرا بولا : مگر ہم اپنے باپ دادا کی رسمیں کیسے چھوڑ دیں ؟

تیسرے نے کہا : میاں سچی بات تو وہی ہے جو بڑے میاں نے کہی ہے مگر کوئی مانے یا نہ مانے اسکی مرضی !

چوتھے نے گرہ لگائی : یار عجیب بڈھا تھا نہ کسی سے کچھ مانگا۔ نہ لیا۔ آیا، بیٹھا۔ روکھی سوکھی تھیلے سے نکالی، کھائی، پانی پیا اور چلتا بنا۔

پانچویں نے کہا : کوئی پہنچا ہوا بزرگ معلوم ہوتا ہے۔

چھٹا بولا : چھوڑو یار۔ کہتا ہے باپ دادا کی رسمیں چھوڑ دو۔ یہ نہ کرو وہ کرو۔ قبروں سے حاجتیں نہ مانگو۔ مجھے تو کوئی وہابی نظر آتا ہے۔

کاشکہ

مجھے اس پیرمرد کا اتہ پتہ معلوم ہوتا جو دین کی تبلیغ میں بے لوث گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو کتاب و سنّت کی طرف بلاتا تھا ———— تو

اِس کتاب کا انتساب اسی کے نام سے کرتا

———— مصنّف

فہرست عنوانات

مُصنّف

نام: فیض عالم ابن قاضی دین محمد صدیقی

مولد: قریہ الفتح پور۔ من مضافات راجوری (مقبوضہ کشمیر)

پیدائش: اپریل ۱۹۱۸ء

تعلیم: اینگلو ورنیکولر مڈل۔ درس نظامیہ کا نصاب منشی فاضل پنجاب۔ ادیب کامل الٰہ آباد۔ فرسٹ کلاس انگلش انڈین آرمی۔

۱۹۳۲ء میں ضلع کٹھوعہ کے ایک سو فیصدی ہندو آبادی کے علاقہ میں مدرس تعینات ہوا یہاں شبانہ تعمیر کاشش۔ کلیات آریہ مسافر۔ ترک اسلام۔ گیتا۔ رامائن اور مہابھارت وغیرہ کا مطالعہ کیا اور ساتھ ہی رمل، جفر، تعویذ گنڈہ بازی اور نقاشی کا شغل اختیار کیا۔ اور طب کا مطالعہ بھی شروع کیا۔

۱۹۳۶ء میں فوج میں بھرتی ہوا اور ایک برٹش رجمنٹ سے وابستگی کی وجہ سے بائیبل کا مطالعہ کیا۔ اور مرزائیت سے بھی روشناس ہوا۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۱ء تک ایک "بہرنگ" فقیر کی صورت میں تمام ہندوستان کی سیاحت کی۔ اس عرصہ میں ہندو جوگیوں، اداسیوں، سنیاسیوں، جٹادھاریوں اور بیراگیوں کے علاوہ ہر خیال کے مسلمان فقیروں سے مل بیٹھنے کا موقع ملا۔ ۱۹۳۲ء سے چلہ کشی اور اوراد و وظائف کا جو شغل شروع کیا تھا اس عرصہ میں اکثر ان اشتغال میں وقت گزرتا رہا۔ اور اس کے ساتھ حبس دم کی مشق کی اور مختلف شعبدہ بازیوں اور استدراجی ہتھکنڈوں سے واقف ہوا۔

۱۹۴۲ء کے آخر تک مختلف گدی نشینوں کی زیارت میں وقت گزرا۔ اس تمام سیاحت کا ماحصل ان لوگوں کی ظاہری اور باطنی زندگیوں کے مطالعہ کے علاوہ طبی تجربات سے استفادہ بھی تھا۔

۴۳ء سے تقسیم ملک تک اپنے ملک میں درس و تدریس، صحافت اور طبابت کے شغل میں مشغول رہا۔ تقسیم ملک سے تاشرندی تک توشہرہ محاذ پر رہا۔ پھر بشارت ضلع جہلم میں پہنچ کر مولوی دوست محمد مدرس کے ذریعہ جماعت اہلحدیث سے متعارف ہوا۔ پولیس کی زندگی ارادۃً گفتہ آید در حدیث دیگراں کی نذر ہو گئی۔

۶۲ء میں دھریالہ جالپ ضلع جہلم میں ایک مسجد اور دینی مدرسہ کی بنیاد رکھ کر قرآنی تعلیم کا کام شروع کیا۔ مگر ایک غریب [illegible] کی یہ ادا چند تقدس مآب مقلدین کی فطری کم ظرفیوں پر ایک تازیانہ ثابت ہوئی۔ مسجد کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ مدرسہ کے رقبہ کے متعلق محکمہ اوقات کو درخواستیں دیکر کام میں روڑے اٹکائے گئے۔ اشتہار تقسیم کیے گئے۔ لڑکوں کو گھر جا جا کر قرآن خوانی سے روکنے کی کوششیں کی گئیں زندگی کے ان تمام نشیب و فراز نے مجھے بہ راستہ سمجھایا کہ صحیح دین صرف کتاب و سنت پر عمل ہے اور گزشتہ زندگی کے ان تمام تجربات کا ماحصل آپ کے سامنے ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

دیباچہ طبع دوم

"اختلاف اُمت کا المیہ" کی تالیف کا سبب وہ شعاع نور تھی جس کی روشنی نے میرے وجدان کے سامنے مشرکانہ اور مبتدعانہ افعال و اعمال کے علاوہ پیر پرستی، قبر پرستی، رسوم پرستی، علماء پرستی، امام پرستی کے گھناؤنے مناظر پیش کئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ہر چیز کی پرستش ہو رہی ہے اللہ کا خوف دلوں سے اٹھ چکا ہے، قوم کی اجتماعی طاقتوں کو نفسانیت کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ قرآنی محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کی تفیحات پر زور دیا جا رہا ہے۔ صحیح احادیث سے غض بصر کرتے ہوئے موضوع احادیث، فقہاء کے اقوال، صوفیا کی شطحیات پر عقاید کی تعمیر ہو رہی ہے۔ ہر طرف خانقاہوں، جھوٹے پیروں اور مدعیان اتقاء کا زور ہے۔ مشرکانہ اعمال کا نام احسان اور مکفرانہ افعال کو ایمان کے نام سے پکارا جا رہا ہے اور ایمان ایک نقش بے نشان ہو کر رہ گیا ہے۔

جامد تقلید نے اساس ملت کو مجروح کر کے رکھ دیا ہے۔ ادراک، تدبر، تفکر، تعقل اور شعور کی قسم کی کوئی چیز موجود نہیں۔ تنگ نظری، تنگ خیالی، تنگ فکری، تنگ ظرفی سے علماء سو کی کھیلوں نے ملک کو بھر دیا ہے۔ علمی تنزل نے عمل کو مفقود، اخلاق کو تباہ اور دین و ایمان کی صورت کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔

عجم نے سیدنا فاروق اعظمؓ کو شہید کر کے جس بغض کی بنیاد رکھی تھی، یہود نے مجوس سے مل کر جس طرح سیدنا ذوالنورینؓ کو شہید کیا تھا [illegible] کی کارروائیاں، اسلام دشمن تحریک کی صورت میں اپنے بال و پر نکالتی ہوئی [illegible] نداختند کے سایہ میں چند اللہ کے بھولے بھالے نیک بندوں [illegible] کی صورت میں اجاگر کرنے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔

الغرض میں نے جدھر دیکھا حقانیت کا آفتاب عالمتاب طواغیت و ابالسہ کے تاریک

تنبیسی بادلوں سے ڈھانپا ہوا نظر آیا۔

ان حالات میں اختلافِ امت کا المیہ تالیف ہوا۔ نصف سے زیادہ مفت تقسیم ہوگیا۔ اور چند ماہ میں تقاضہ شروع ہوگیا کہ اس کا دوسرا ایڈیشن طبع کرایا۔ مگر اس کے بعد حقیقت مذہب شیعہ، مقام صحابہ، بنات الرسول، واقعہ کربلا، عترت رسول، شہادت ذوالنورین امیر المومنین مروان بن الحکم رض۔ مشکوٰۃ المصابیح جلد ۳۔۴ کے فوایدِ غزنویہ پر ایک نظر، سلطان شہید صدیقہ کائنات رض۔ سیدنا حسن رض بن علی رض۔ راجوری وغیرہ کی تالیفات میں اس قدر منہمک ہوا کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت ہی نہ ملی۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں جو کچھ ہوا اب خود اس بات کا یقین نہیں آتا کہ یہ سب کچھ میری قلم سے نکلا ہے۔

اب حبیب مکرم مولانا محمد عبدالمنعم فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان کی خواہش پر اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت کا کام ان کے سپرد کر رہا ہوں۔

مجھے یہاں اس بات کی وضاحت کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ کہ کتاب کا غالب حصہ حنفی مذہب کے مالہ وماعلیہ کی نذر ہوگیا تھا۔ اس کی اہم ترین وجہ یہ تھی کہ پاک وہند میں سلطان قطب الدین ایبک کی وجہ سے اس مذہب کو عروج نصیب ہوا ورنہ قطب الدین ایبک سے پہلے پاک وہند میں صرف اہلحدیث تھے یا ظاہری مذہب کے پیروکار۔ احناف کو یہاں تمام افغان حکمرانوں اور مغلیہ خاندان کی سرپرستی حاصل رہی۔ مگر اس بات کے باوجود چونکہ ان لوگوں کے سامنے کوئی متفقہ لائحہ عمل نہ تھا اس لئے وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ان میں متعدد ذیلی مذاہب پیدا ہوتے چلے گئے۔ جن میں سے آگے چل کر دو نے خاص شہرت حاصل کی۔ دیوبندی اور بریلوی۔ دیوبندیوں کی علمیت چونکہ اہل حدیث علماء کی رہین منت تھی۔ اس لئے وہ کسی حد تک مشرکانہ اعمال سے بچے رہے۔ مگر بریلویوں نے شرک و بدعت کی تمام حدود پھاند ڈالیں۔ آگے چل کر دیوبندی بھی دینی طور پر حیاتی و مماتی کے چکر میں پھنس گئے اور سیاسی طور پر ہر مقام پر چڑھتے سورج کے سامنے ڈنڈوت کرنے سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔ جماعت اسلامی تبلیغی جماعت، ہزاروی گروپ، حسین علی آف واں بھچراں کے عقیدت مند۔ قاری

طیب کی یزید دشمنی کے نظریات کے حامل، حیاتیئے، مماتیئے، درخواستیئے۔ بنوریئے۔ غرضیکہ ان گنت نظریات میں بٹے ہوئے سبھی دیوبندی کہلاتے ہیں۔

میں نے آج سے دس سال پہلے بھاشانی اور بھٹو کے متعلق جو کچھ کہا تھا زمانے نے دیکھ لیا کہ وہ کس طرح سچ ثابت ہو کر رہا۔ حالانکہ بھٹو اس وقت سیاست کے پالنے میں ہی ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ منکرین حدیث جو میرے علم و یقین کے مطابق منکرین حدیث نہیں بلکہ منکرین قرآن ہیں اور مرزائیت پر جو کچھ لکھا تھا۔ وہ کس طرح سچ ثابت ہو کر رہا۔

اب چند معروضات قارئین کے سامنے پیش کر کے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔ امام ابو حنیفہ کے متعلق بعض مقامات پر اس قسم کے کلمات زیر قلم آگئے ہیں۔ جو ذاتی طور پر مجھے خود پسند نہیں تھے۔ مگر یہ سب کچھ مختلف کتب کے اقتباسات ہیں۔ میں ذاتی طور پر سیدنا امام ابو حنیفہ رح کے شرف و مجد اور علم و فضل کا قائل ہوں۔ میں آنجناب کی علمی اور سیاسی بصیرت کا مداح اور ثناخواں ہوں۔ زیر نظر تالیف میں جہاں کہیں حضرت امام کے متعلق کوئی سخن گسترانہ بات درمیان میں آگئی ہے وہ حضرت امام کے مقلدین کی اپنی تالیفات کا بیان تو ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام نے نہ کسی کو اپنی تقلید کے لئے کہا نہ کسی مکتبۂ فکر کی بنیاد رکھی۔ یہ سب کچھ افترا حضرت امام کے سر تھوپا جا رہا ہے۔ معاصرین سے ان کے معمولی قسم کے فروعی اختلافات ضرور ہوں گے۔ مگر ہمیں ان کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ یہ سب سبائیت کی کارفرمائیاں ہیں مگر جو پورے طور پر اس کے ہتھے نہ چڑھا اس کے لئے اس نے نہایت چابکدستی کئی پُرپیچ گھاٹیاں تیار کر کے اُسے صراط مستقیم سے برگشتہ کر کے ہی دم لیا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی کے حقیقی نانا ہمیں امام باڑہ تعمیر کرتے نظر آتے ہیں اور یہ لطیفہ تو بالکل تازہ ہے کہ حامد میاں نامی ایک دیوبندی عالم جنہیں خدام القرآن کی قرآن کانفرنسوں میں شمولیت کی وجہ سے کچھ شہرت ملی۔ انا مدینۃ العلم و علی بابہا کی صحت پر ہی مجھ سے نہ صرف اُلجھے بلکہ ایک مکتوب میں یہ

ـلہ

لکھنے سے بھی نہ ہچکچائے کہ تصوف کے چاروں طرق کے معلّم اوّل حضرت علیؓ ہیں۔[له]

حضرت امام پر رفض نے جو اتہامات لگائے اور جن اتہامات کو آج ان کے مقلّدین بڑے فخر سے ان کی دینی خدمات قرار دے رہے ہیں یہ حضرت امامؒ پر صرف اتہام اور افتراء ہی نہیں بلکہ دینی روح اور حقائق اسلامی کو مجروح کرنے کا حربہ ہے۔

چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امامؒ نے زید بن علی، یحییٰ بن زید، عیسیٰ بن زید بن علی بن حسین، عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار اور ابراہیم کے خروج کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ درپردہ ان کی امداد کرتے رہے اور خلافت متوقعہ کے خلاف ان کے خروج کو مبنی برحق قرار دیا۔ گویا اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضرت امام دین سے بالکل بے بہرہ تھے اور ان کی نظروں سے یہ تصریحات نہیں گزری تھیں۔

عن زیاد بن علاقة قال سمعت عرفجة قال سمعت رسول اللّٰه صلے الله علیه وسلم یقول ستکون هنات وهنات فمن اراد ان یفرق امر هذه الامة وهی جمیع فاقتلوه کائنًا من کان

صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۶
طبع مصر

حضرت زیاد بن علاقہ حضرت عرفجہؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کرتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عنقریب فتنے پر فتنہ برپا ہوگا تو جو شخص اس امت کا کلمہ متفرق کرنا چاہے کہ امت اس پر متفق ہو چکی ہو تو ایسے آدمی کو قتل کر دو خواہ وہ کوئی ہو۔

من خلع یدًا من طاعة لقی اللّٰه یوم القیمة لا حجة له و من مات ولیس فی عنقه بیعة

جس نے خلیفہ وقت کی بیعت سے ہاتھ کھینچا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایسے جائے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ

[له] حامد میاں

مات میتة جاهلیة

(صحیح مسلم)

ہوگی اور جو شخص ایسی حالت میں مرا کہ (خلیفہ اسلام کی) بیعت اس کی گردن میں نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

من فارق الجماعة شبرًا فقد خلع ربقة الاسلام عن عنقه الا ان یراجع

(متفق علیہ)

جس نے ایک بالشت بھر بھی جماعت میں تفرقہ ڈالا تو گویا اس نے اپنی گردن سے اسلام کی اطاعت کی ذمہ داری اتار دی جب تک وہ اپنے اس فعل سے رجوع نہ کرے۔

اس موضوع پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر یہاں ان تین تصریحات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یا تو حضرت امامؒ کو ایسی تصریحات کا علم نہ تھا۔ اس صورت میں وہ منصب امامت تو درکنار ایک عام مسلمان کی علمی سطح سے بھی گئے گذرے تھے۔ اور اگر انہیں علم تھا اور اس کے باوجود انہوں نے خلفائے وقت کے خلاف سازشوں میں حصّہ لیا۔ تو ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا اور وہ خود ان تصریحات کی روشنی میں واجب القتل تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امامؒ جیسا نابغہ عصر ان حقائق سے بے خبر نہیں ہو سکتا تھا اور وہ کسی صورت میں بھی کسی باغی یا خروج کرنے والے کی ہمنوائی نہیں کر سکتا تھا۔ اس قسم کی تمام خرافات کہ حضرت امامؒ نے فلاں فلاں کے خروج کو مبنی برحق قرار دے کر اس کی درپردہ مدد کی آپ کی ذات پر بہت بڑا بہتان اور افترا ہے۔

حضرت امام ۸۰ ہجری میں بزمانہ امیر المومنین عبدالملکؒ بن مروانؓ پیدا ہوئے۔ اور ۱۵۰ ہجری میں امیر المومنین المنصور عباسی کی خلافت کے زمانہ میں فوت ہوئے۔ گویا آپ کی زندگی میں چھ اموی اور دو عباسی خلفا گذرے۔

آپ کے زمانہ میں تو علویوں نے مختلف اوقات میں خلافت وقتہ کے خلاف خروج کئے:

۱ - زید بن علی نے بزمانہ امیر المومنین ہشام بن عبد الملک اپنے مزعومہ امام جعفر (صادق) کی موجودگی ۱۲۲ ہجری میں کوفہ میں خروج کیا۔

۲ - زید بن علی بن حسین - اس کے خروج کی وجہ اپنے چچا زاد بھائیوں سے جھگڑا تھا۔ زید اپنا مقدمہ لے کر امیر المومنین ہشام بن عبد الملک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دوسری پارٹی کا سرغنہ جعفر بن حسن مثنیٰ تھا۔ زید لحیم شحیم سانولے رنگ کا عیدن نامی ایک سندھن لونڈی کے بطن سے تھا۔ بڑی مشکل سے سیڑھیاں چڑھ کر خلیفہ کے حضور حاضر ہوا۔ جعفر بن حسن مثنیٰ کے حق میں فیصلہ ہوا۔ زید بڑبڑاتا ہوا وہاں سے چل نکلا۔ کوفیوں نے سبز باغ دکھائے۔ سیدنا داؤد بن علی بن عبد اللہ بن عباس نے بہت سمجھایا مگر باز نہ آیا۔ اور کوفیوں کے چکمہ میں آکر خروج کر دیا اور مارا گیا۔

زید کے تین بیٹے یحییٰ، حسین اور عیسیٰ تھے۔ آٹھ بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک بیٹی امام محمد بن ابراہیم اللامام عباسی کے نکاح میں تھی۔

۳ - یحییٰ بن زید بن علی بن حسین نے ۱۲۶ھ میں خراسان میں امیر المومنین ولید اموی کے زمانہ میں خروج کیا۔ باپ کی بغاوت کے وقت عمر ۲۰ سال تھی۔ بھاگ کر الحکم بن لیث بن امیر مروان رض کے گھر میں پناہ لی۔ خراسان میں خروج کر کے قتل ہوا۔

۴ - عبد اللہ بن معاویہ نے ۱۲۷ ہجری میں کوفہ میں امیر المومنین مروان کے زمانہ میں خروج کیا۔ ہرات میں قتل ہوا۔ اسے بھی شیعوں نے مہدی کا خطاب بخشا۔

۵ - محمد الارقط نے بزمانہ امیر المومنین ابو جعفر منصور عباسی کوفہ میں مذکورہ امام کے زمانہ میں خروج کیا۔

۶ - ابراہیم بن عبد اللہ نے بھی اسی زمانہ میں بصرہ میں خروج کیا۔

۷ - عیسیٰ بن زید بن علی بن زین العابدین نے ۱۴۸ھ میں کوفہ میں امیر المومنین ابو جعفر منصور عباسی کے زمانہ میں خروج کیا۔ امیر المومنین نے شکست دی۔

اور قتل ہوا۔ مرتے وقت اس کی وصیت کے مطابق اس کے دو لڑکے ایک آدمی لے کر عباسی خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بقول عمدۃ الطالب صفحہ ۲۷۹ خلیفہ نے ان کی سرپرستی قبول فرما کر ان کے وظائف جاری کر دیئے۔

۸ - محمد الارقط نے ۱۴۵ ہجری میں مدینہ میں امیر المومنین المنصور کی خلافت کے زمانہ میں خروج کیا۔ مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ باپ کا نام عبد اللہ تھا۔ یہ دور شیعوں کے "اصل" امام جعفر (صادق) کا تھا۔ چنانچہ کافی کی روایت ہے کہا ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو واللہ میں تمہارے بیٹے کو بچپن سے زیادہ منحوس و شوم سمجھتا ہوں۔ اصلاب آباء نے ارحام النساء میں اس سے زیادہ منحوس نطفہ نہیں ڈالا۔ واللہ وہ مقتول ہو گا (الشافی ترجمہ اصول الکافی شائع کردہ شمیم بکڈپو کراچی ص ۴۳۲ تا ۴۴۶)

محمد الارقط کو اکشف اور اخضر بھی کہا گیا ہے۔ شیعوں کے نزدیک تو محمد الارقط ایک منحوس انسان تھا۔ مگر ہمارے سنیوں نے اسے نفس زکیہ بنا کر یہاں تک بہتان باندھنے سے شرم نہ کی کہ حضرت امام مالک اور امام اعظم رح درپردہ اس کی بغاوت کے ہمنوا تھے۔

۹ - ابراہیم بھی بغاوت کر کے قتل ہوا۔

قابل غور امر یہ ہے کہ حضرت نعمان بن ثابت جنہیں امام اعظم رح کہا جاتا ہے ان کے متعلق اس قسم کا تصور بھی قلب و روح پر کپکپی طاری کر دیتا ہے۔ کہ انہوں[1] نے کسی باغی کی مدد کی تھی۔ حضرت امام ایک کامیاب تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک علمی آدمی تھے۔ وہ اول سے آخر تک سیاست سے الگ تھلگ رہے۔ آخری ایام میں بغداد کی تعمیر کے وقت وہ تعمیری کاموں کے جز وقتی نگران تھے اور ان کا مقام خلفائے وقت کی نظروں میں اتنا بلند تھا کہ مرنے کے بعد انہیں شاہی قبرستان یعنی مقبرہ خیزران میں دفن کیا گیا۔

---

[1] مزید تفصیل کے لئے میری تالیفات حقیقت مذہب شیعہ اور عترت رسول دیکھئے۔ نیز سید علی احمد عباسی کی تالیف سیرت امام اعظم کا مطالعہ کیجئے۔

میں مکرر اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ آج فقہ حنفیہ کے نام سے جو اسفار لہوالحدیث کا مجموعہ دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے ایک حصے کو گمراہ کرنے کا موجب بن رہا ہے۔ اس کا ایک لفظ بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تعلق نہیں رکھتا۔ میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ زیر نظر کتاب میں جس ابوحنیفہ کا ذکر بار بار آیا ہے وہ میرے نزدیک ایک خیالی شخصیت ہے۔ اس خیالی شخصیت کا اس امام ابوحنیفہؒ سے کوئی تعلق نہیں جس کا ان سطور میں ذکر کیا گیا ہے۔

فیض عالم
۱۵ جولائی ۱۹۷۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

اسلام

قرآن اور حدیث

اسلام کے معنے تسلیم کرنا، مان لینا اور جھک جانا ہیں۔ ہم نے جس وقت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا اُس وقت زبان کے اس اقرار کے ساتھ قلبی طور بھی جب تک اسے تسلیم نہ کریں گے مسلمان اور مومن کہلانے کے مستحق نہیں ہوں گے۔ صرف زبانی اقرار کامل الایمان ہونے کے لیے کافی نہیں، مگر دوسری صدی ہجری کے آخر میں ہی کچھ اس قسم کے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ جہاں تک زبانی اقرار کا تعلق تھا وہ تمام مسلمانوں میں موجود تھا۔ لیکن عجمی تاثرات نے جب اسلام کے سیدھے سادے مسلمات میں ذہنی پراگندگیوں کی بنا ڈالی شروع کی اور اس ذہنی پراگندگی نے اپنے برگ و بار سے قلوب و اذہان کو متاثر کرتے ہوئے کچھ خود ساختہ مفروضات کے تاثرات چھوڑے تو وہ آہستہ آہستہ اس قدر راسخ ہوتے چلے گئے کہ جہاں تو اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، خود ساختہ مفروضات سے ٹکراؤ نہ کھاتے تھے وہاں سر تسلیم خم رہا، مگر جہاں ٹکراؤ شروع ہوا وہاں اپنے خود ساختہ مفروضات کو اولیت کا مقام دے کر قرآن و حدیث کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ پھر اس قاعدہ کے تحت کہ ایک جھوٹ کو سچ ثابت

کرنے کے لیے کئی اور جھوٹ گھڑنے پڑتے ہیں، اپنے خود ساختہ مفروضات کو سچ ثابت کرنے کے لیے کئی اصطلاحات وضع کی گئیں۔ حالانکہ واضح اور صاف حکم تھا کہ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی اطاعت صرف اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ جس طرح قرآن لاریب کتاب ہے اسی طرح وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کی روشنی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بھی واجب العمل ہیں۔ اور اس پر مسلمانوں کے بظاہر تمام فرقے متفق ہیں کہ قرآن پاک خاتم الانبیاء کے ذریعے تمام عالم کی دائمی رہنمائی کے لیے نازل ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اسی پیغامِ الٰہی کی تبلیغ اور اس کا قیام تھا۔ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ اور فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کے احکام اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں۔ رسول اللہ نے اس کے ایک ایک حکم اور ایک ایک آیت کی تشریح کی۔ اور قرآن کی تعلیم کا کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑا۔ دنیا کے تمام علوم و فنون کے خاص اصول و قواعد ہیں۔ اور ان کی ایک رُوح ہوتی ہے جسے ہم موجودہ اصطلاح میں ان فنون کی سائنس کہہ سکتے ہیں۔ جب تک اس رُوح اور سائنس سے واقفیت نہ ہو گی اس وقت تک ان علوم کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہی حال کلام اللہ کا ہے۔ اور اس کی رُوح کے سب سے بڑے عارف رسول اللہ ہیں۔ اور رسول اللہ کی بیان کردہ تشریح کو ہی ہم حدیث کہتے ہیں۔ احادیث کے شرعی احکام وحی اور الہام پر مبنی ہیں۔ رسول اللہ نے انہیں کسی انسان یا عجمی عناصر سے حاصل نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کی رُوح کے شناسا صحابہؓ تھے۔ جن کے سامنے نزولِ قرآن کی پوری تاریخ تھی۔ ان کی زبان اور قرآن کی زبان ایک تھی۔ ان کے سامنے ۲۳ سال کی مدت میں قرآن نازل ہوتا رہا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھا انھیں پڑھایا انھیں سمجھایا۔ اور یہ امر واشگاف ہے کہ صحابہؓ کی ترجمانی کسی مذہبی عقیدہ کی بنا پر نہ تھی۔ بلکہ خالص علمی اصولوں کی بنا پر تھی۔ اس کے بعد جو فنون مرتب ہوئے لازماً ان کے اختلافی مفہوم و منشا کے لیے صحابہؓ کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے تھا۔ جنہوں نے اس کی ایک ایک دفعہ کو برتا۔ اس پر عمل کیا۔ اور علی التواتر دیکھا

سو سال کے عرصہ سے زائد مدت تک بلا اختلاف عمل ہوا

اِختلاف کب اور کیسے شروع ہوا؟

اختلاف کی خشتِ اول اس وقت رکھی گئی جب سیدنا فاروق اعظمؓ کی سیلابِ آسا فتوحات کے نتیجہ میں مدینۃ النبیؐ میں مجوسی، یہودی، عیسائی، مزدکی اور بے دین غلاموں کی کثرت اصل آبادی سے تین گنا بڑھ گئی۔

خصوصی طور پر ایران کی ہزارہا سالہ حکومت کی تباہی سے مجوسی مرزبانوں، دہقانوں، جاگیرداروں اور موبدوں کے دلوں میں تنفر، کینہ، عداوت اور دشمنی کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ہرمزان نامی ایک عیار مجوسی گورنر کی سرپرستی اور حفینہ اور جون ایلیا نامی عیسائی غلاموں کی سازش سے جن میں موخر الذکر سیدنا علیؓ کا غلام تھا، فاروق اعظمؓ کو عین فجر کی نماز سے چند لمحات پہلے فرز ابولولو نامی ایک مجوسی غلام نے سیدنا فاروق اعظمؓ کو شدید زخمی کر دیا۔ اور آپ ان زخموں کی تاب نہ لا کر مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ فاروق اعظمؓ کے بعد سیدنا ذوالنورینؓ اجماع امت سے منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ آپ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال نہایت پرسکون اور امن و امان کے تھے۔ مگر آپ کی مخالفت کی کھچڑی پکتی رہی۔ اور انہی ایام میں عبد اللہ بن سبا نامی ایک شاطر یہودی عالم نے کوفہ، بصرہ، اور مصر میں طوفانی دورے کر کے ان زیر زمین تخریبی عناصر کو کھل کر کام کرنے پر ابھارا۔ اور آخر سیدنا ذوالنورینؓ عین حرم نبوی کے سائے میں ۸۴ سال کی عمر میں دو ماہ کے شدید محاصرے کے بعد شہید کر دیے گئے۔ اور انہی قاتلین سیدنا ذوالنورینؓ نے اپنے بچاؤ کے لئے خاک از تودۂ کلاں بردار کے مصداق سیدنا علیؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر سیدنا علیؓ مدینہ میں رہے تو ہمارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ اس لئے انہیں مدینہ کی بجائے کوفہ لے گئے۔

کوفہ ایک نئی بستی تھی۔ جہاں مفتوحہ ممالک کے نو مسلم مرکزِ خلافت کی طرف کھچے چلے آئے۔ خوارج کے فتنہ نے یہیں سے سر اٹھایا۔ عبادت گذاری،

پرہیزگاری، ثابت قدمی، استقلال، علوِ ہمت اور جہادی سپرٹ اِن میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ لیکن اِن کے عقائد کی بنیاد رائے اور قیاس پر تھی۔ جس نے انہیں صراطِ مستقیم سے دُور جا پھینکا اور آخر ان کا حشر ان کا خاتمہ تھا۔

اور آج شیعیت بطور ایک مذہب کے مروّج ہے۔ مگر حقیقتاً یہ ایک سیاست پر مبنی ایرانی تحریک تھی۔ آگے چل کر یہ تحریک ایک مذہب کی صورت اختیار کر گئی اور کئی ایک شاخوں میں بٹ گئی۔ آج ہم انہیں امامیہ، اِثنا عشریہ، زیدیہ، اسماعیلیہ وغیرہ ناموں سے پہچانتے ہیں۔ مگر ابتدا میں یہ صرف دو شاخوں میں بٹی ہوئی تھی۔ بنیادی طور پر دونوں کا عقیدہ ایک تھا اور اس وقت تک ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ کے بعد سلسلۂ خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد تک محدود ہے۔ ان کے نزدیک امامت کا آسمانی حق ان کو دیا گیا ہے۔ کہ صرف امام ہی اسلام کے جائز اور ناقابلِ خطا رہبر ہوتے ہیں۔ دُوسرا گروہ کہتا تھا کہ امام کے اندر خدائی رُوح ہوتی ہے اور بعض وقت اِن کا یہ دعویٰ بھی دیکھنے اور سُننے میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ (نعوذ باللہ) دھوکے سے درمیان میں کُود پڑے۔ اور خدائی امام علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔

اِن حالات میں متذکرۃ الصدر دونوں فرقے یا گروہ جن میں سے ایک قریباً قریباً دُنیا سے ناپید ہو گیا ہے اور دُوسرا مختلف صُورتوں میں موجُود ہے۔ یہ اہلِ سُنت والجماعت سے الگ ہیں۔ زیرِ نظر کتاب صرف اہلِ سُنّت والجماعت کے متعلق ہے۔

اُموی دَور میں اسلام :

حضرت علی کی خلافت کے خاتمہ کے بعد دمشق نے حریمِ خلافت کا لبادہ اوڑھا اور تقریباً ایک صدی تک دارالخلافت دمشق رہا۔ کوفہ کی مرکزیت ختم ہو گئی اور نومسلموں کے قافلے بجائے کُوفہ کے دمشق وارد ہونا شروع ہوئے۔ مگر دمشق کی تہذیب بھی خالص عربی تہذیب نہ سہی، حجاز کی قربت کی وجہ سے قریباً قریباً عربی تہذیب تھی۔ وُہی عربوں کی سی سادگی اِن میں موجُود تھی۔ البتہ جب ولید بن عبدالملک کے دَور میں محمد بن قاسم سندھ

تک، قتیبہ بن مسلم باہلی ترکستان تک اور مُوسیٰ بن نصیر مراکش تک فتوحات کے پھریرے اُڑاتے پہنچے تو عجمی تہذیب کا کافی اثر مرکز تک پہنچنا شروع ہو گیا۔ مگر مرکز کی گرفت مضبوط تھی اور کسی بے راہروی نے کسی مقام پر بھی راہ نہ پایا۔ اُمویوں سے اقتدار چِھن جانے کے بعد پھر عراق کے دن پھرے اور اُمویوں کے خاتمہ میں بھی سب سے بڑھ کر عجمیوں کا ہاتھ تھا۔

عبّاسی دَور :

حریمِ خلافت کا مقام بغداد کو ملا۔ نومسلموں کے قافلوں نے بجائے دمشق کے بغداد کا رُخ کیا۔ ہر قسم کے علوم و فنون کے ماہر بغداد اور کوفہ میں آباد ہونے شروع ہو گئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا سے تشریف لے گئے ایک صدی کے قریب زمانہ گزر چکا تھا۔ فیضانِ نبوّت سے مستفیض گروہ بھی اس دُنیا سے رختِ سفر باندھ کر رخصت ہو چکا تھا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم اب تیسرے دَور میں داخل ہو چکا تھا۔ عراق میں نئی تہذیب سر اُٹھا رہی تھی۔ عجمی تاثرات رنت نئے واقعات سامنے لا رہے تھے۔ مدینۃ النبی سے دُوری نے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کی گرفت بھی کسی حد تک ڈھیلی کر دی تھی۔ مجموعی طور پر اسلام حجازی اقدار اور عجمی اقدار میں بٹ چکا تھا۔

اہل الرّائے اور اہلحدیث :

یہی گویا اہلسنت کے دو گروہوں میں بٹ جانے کی ابتدا تھی۔ ایک اہل الرائے کا گروہ جو کُوفہ میں امام ابُوحنیفہؒ کی قیادت میں قائم ہوا۔ اور دُوسری اہلحدیث کی جماعت جو حجاز میں امام مالک بن انسؒ کی سرکردگی میں پیدا ہُوئی۔ آگے چل کر مؤخر الذکر میں امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ بھی شامل ہو جاتے ہیں اور وُہ اس طرح کہ ان دو ائمہ نے بھی قرآن و حدیث کو ہی استنباطِ مسائل کی بنیاد بنایا۔ مگر امام ابُوحنیفہؒ حدیث کے اصلی وطن سے دُور تھے اور عراق کے لوگ بھی شہری زندگی کے عادی ہو چکے تھے۔ اس لیے امام موصوف فقہیہ مسائل میں عقل اور رائے، اجتہاد اور استحسان کے اُصُولوں سے کام لینے لگے

اور پھر ان کے مقلدین ان کے قیاسی مسائل کے استعمال میں اس حد تک بڑھ گئے کہ بالکل فرضی مسائل سے تعرض کرنے لگے۔ اور قرآن و حدیث کے مقابلہ میں امام موصوف کے قیاسی مسائل کو ترجیح دینے لگے۔ تقلید کے اس دور میں بدعات و خرافات کثرت سے پھیلے جن کی بنیاد محض وہم اور جہالت پر تھی۔ وہ شریعت کی اصل روح کو نظر انداز کر کے امام موصوف کے اجتہاد کے پابند ہو گئے۔

ان تمہیدی سطور کے بعد آیئے ذرا وضاحت سے اور تفصیل کر واقعات کا جائزہ لیں مگر اس کے لیے اپنے مقرر کردہ مفروضات کو یکسر نظر انداز کرنا ضروری ہے۔ گویا کلیتہً خالی الذہن ہو کر سوچنا ہو گا کہ مذاہبِ اربعہ کی بنیاد دوسری صدی ہجری کے وسط میں رکھی گئی۔ ان مذاہب کے ظہور سے پہلے جو مسلمان تھے وہ کن نظریات کے پابند تھے؟ ان میں تبع تابعین بھی تھے اور تابعین بھی۔ اور سب سے بڑھ کر صحابہ کرام کا مقدس گروہ تھا۔ وہ کس کے مقلد تھے؟ ان کے لیے کیا کسی تقلید کی ضرورت نہ تھی اگر تھی تو وہ کس کے مقلد تھے؟ یہاں اس کے سوا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں کہ وہ براہِ راست قرآن و سنت کی روشنی سے مستنیر تھے۔ پھر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے مسائل کو حل کرتے تھے تو ڈیڑھ سو سال بعد اس مسخرہ پن کی کیا ضرورت پیش آئی؟

پھر لطف یہ کہ اجتہاد کے منصب پر آپ نے صرف چار آئمہ کو فائز کیا ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ امام صرف چار نہیں بلکہ گیارہ ہوئے۔ اور گیارہ کی تقلید ہوتی رہی۔ سات تو ہٹ گئے اور چار کے مذاہب باقی رہ گئے۔

امام مالکؒ:

مدینہ منورہ نزولِ وحی کا مقام اور اہلِ سنت کا گہوارہ تھا۔ وہاں ایک خاص نوعیت کا مدرسہ قائم ہوا۔ جس کی ابتدا حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، زیدؓ بن ثابت، عبداللہ بن عباسؓ اور اُم المومنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی۔ ان کے بعد اس مدرسہ کے روحِ رواں سعید بن مسیّبؓ، عروہ بن زبیرؓ، قاسم بن محمدؒ، ابو بکر بن عبدالرحمٰنؒ، سلیمان بن یسارؒ، خارجہ بن زیادؒ اور عبیداللہ بن عبداللہؒ ہوئے۔ گویا مدینہ منورہ اہلحدیث کی مرکزی درسگاہ بن گیا۔ ۹۵ھ میں قال اللہ اور قال الرسول کی فضا میں مالکؒ بن انس اصبحی پیدا ہوئے۔ آپ نے تمام زندگی مدینہ میں گزاری۔ صرف ایک بار مکہ معظمہ میں حج کے لیے تشریف لے گئے۔ اور مدینہ منورہ میں ہی آپ نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔

امام شافعیؒ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ امام مالک بڑے عالی ہمت، صاحبِ جرأت، راسخ العقیدہ اور قوی الایمان عالم تھے۔ آپ نے ایمان اور عقیدہ کی خاطر مصائبِ زمانہ اور ستم ہائے روزگار کو بڑے صبر و استقلال سے برداشت کیا۔ طلاق مکرہ کے عدمِ جواز پر فتوے دینے پر آپ کو کوڑے لگائے گئے۔ ربیعہ بن عبدالرحمٰن رائی۔ نافع۔ ابن عمرؓ کے غلام زہری۔ ابو الزناد و یحییٰ بن سعید انصاری آپ کے اساتذہ میں سے قابلِ ذکر ہیں۔ مؤطا امام مالک آپ کی تصنیف ہے۔ جسے امام شافعیؒ کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر صحیح ترین کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ امام مالکؒ اپنے اجتہاد میں صرف قرآن و حدیث پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں امام شافعی اور امام محمد بن حسن شیبانی جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کے مقلدین میں یحییٰ لیسی اندلسی راوی مؤطا۔ اسد بن فرات التونسوی متوفی ۲۱۳ھ مصنف مدونہ جو مالکیوں کا علمی سرمایہ ہے۔ عبدالسلام التنوخی متوفی ۲۴۰ھ۔ عبدالرحمٰن بن قاسم متوفی ۱۹۱ھ۔ عبداللہ بن وہب متوفی ۱۹۷ھ۔ اشہب بن عبدالعزیز قیسی متوفی ۲۰۴ھ۔ عبداللہ بن عبدالحکم متوفی ۲۱۴ھ اور ان کے بیٹے محمد خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

فقہ مالکی کے مشاہیر میں ابو الولید باجی۔ ابو الحسن لخمی۔ ابن رشد الکبیر۔ ابن رشد الحفید ابن العربی صاحب العواصم من القواصم۔ ابو القاسم بن جزی متوفی ۷۴۱ھ مؤلف القوانین الفقہیہ فی تلخیص مذہب مالکی۔ سیدی خلیل متوفی ۷۶۷ھ قابلِ ذکر ہیں۔

مالکی مذہب مدینہ میں پیدا ہوا اور تمام مغربی ممالک میں پھیل گیا۔ چونکہ مغربی ملکوں کا منتہائے سفر حجاز ہی تھا۔ نیز مغرب اقصیٰ کے لوگ بدوی معاشرت اور سادہ زندگی کے دلدادہ تھے۔ مغرب اقصیٰ۔ الجزائر۔ تونس۔ طرابلس الغرب کے باشندوں کا مذہب

یہی رہا۔ اسی طرح بالائے مصر، سوڈان، بحرین اور کویت میں بھی مالکیوں کی اکثریت ہے۔ ان کی تعداد اس وقت ساڑھے چار اور پانچ کروڑ کے درمیان بیان کی جاتی ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا امام مالک نے اپنے شاگردوں اور مقلدین کو اپنی تقلید کی رغبت دلائی اور اُنہیں یہ بتایا کہ ایک امام کی تقلید فرض ہوتی ہے۔ اگر صورت یہ تھی تو محمد بن حسن شیبانی نے امام ابو حنیفہؒ کی شاگردی کے بعد امام مالکؒ کی شاگردی کیوں اختیار کی۔ پھر آئمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر امام یعنی امام شافعیؒ کو یہ جُرأت کیسے پیدا ہوئی کہ وہ امام مالک سے علم حاصل کر کے اپنے نئے مذہب کی بنیاد رکھیں۔ مندرجہ بالا تنقیحات سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ امام مالکؒ نے الگ کسی مذہب کی سرے سے بنیاد رکھی ہی نہیں۔ وہ قرآن و حدیث کے معلم تھے۔ ان کی وفات کے بعد یارانِ طریقت نے خود بہ تکلف فرما کر اُنھیں امامت اور اجتہاد کے منصب پر بٹھایا اور ان کی تقلید کو اپنے لیے فرض قرار دے لیا۔

مؤطا کے متعلق جب عباسی خلیفہ نے آپ کو کہا کہ آپ حکم دیں تو مؤطا کی نقول کر کے تمام ممالکِ اسلامیہ میں اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی جائے تو آپ نے سختی سے منع کر دیا۔ پھر آج ہم دیکھتے ہیں کہ تمام مالکی بار سالِ یک نماز پڑھتے ہیں۔ مگر نہ امام ممدوح نے بار سال یک نماز پڑھی۔ نہ مؤطا میں اس قسم کی کوئی حدیث بیان کی، نہ مالکی فقہ کے انسائیکلو پیڈیا یعنی مدوّنہ میں اس قسم کا کوئی حوالہ ہے۔ پھر آج بار سالِ یک نماز پڑھنے کی رسم کہاں سے تراشی گئی، کس نے تراشی اور کب تراشی؟ میں بڑے وثوق، یقین اور اعتماد سے کہتا ہوں کہ مالکی مذہب سرے سے کوئی مذہب ہی نہیں۔ یہ یارانِ طریقت کا خود ساختہ مذہب ہے۔ اور امام مالکؒ جیسے متدین، پرہیزگار، متبع کتاب و سنت اور بزرگ کی طرف تقلید کی نسبت آپ کی ذات پر بہت بڑا بہتان ہے۔ مالکی کہلانا ایک شاگردانہ نسبت تھی جو آگے چل کر حنفیوں کی دیکھا دیکھی ایک مذہب کی صورت میں منتقل ہو گئی۔ اور یہ شکل اختیار کیے بغیر حنفیت کے قیاسی مسائل کی اصلاح ناممکن تھی۔

آج تک مقلدین کی طرف سے بڑے زور شور اور بلند بانگ دعاوی کے ساتھ یہ باتیں باور کرانے کی کوششیں جاری ہیں کہ تقلید فرض ہے۔ تقلید انتہائی تحقیق اور بھرپور دینی بصیرت کا نتیجہ ہے۔ یہ کہتے وقت وہ اس بات کو قطعاً بھول جاتے ہیں کہ تقلید فرض تو درکنار مباح بھی نہیں بلکہ بدعت اور ضلالت ہے۔ پھر یہ کہا جاتا ہے کہ آج تمام عالمِ اسلام ائمہ اربعہ کی تقلید پر مجتمع ہے۔ اگر تقلید گمراہی تھی تو عالمِ اسلام تقلید پر مجتمع کیسے ہوا۔ اس کے جواب میں تاریخ اور فلسفہ تاریخ کی ورق گردانی کی ضرورت ہے۔

فقہ حنفی کی ترقی کے اسباب کسی دُوسرے مقام پر بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں فقہ مالکی کے ترقی کے مالہٗ و ما علیہ اور اس کا پس منظر بیان کیا جاتا ہے۔

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۲ھ مطابق ۵ اگست ۷۵۰ء اموی خلافت کا آخری تاجدار مروان بن الحکم مصر میں قتل کر دیا گیا۔

سادات بنی امیہ کا ایک شہزادہ اپنی جوانمردی اور اپنی کوششوں سے یکم شوال ۱۳۵ھ مطابق ۸ مارچ ۷۵۶ء میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور عبد الرحمن الداخل کے نام سے اندلس کا حکمران بن گیا۔ الداخل کو عباسیوں سے دشمنی گویا ورثہ میں ملی تھی۔ وہ [illegible] کو کیسے فراموش کر سکتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ہشام اس کا جانشین بنا۔ ہشام طبعاً نیک اور منصف مزاج حکمران تھا۔ اس کے زمانہ میں کوفہ میں قیاسی مذہب کی بنیاد رکھی جا چکی تھی اور مدینہ میں امام مالکؒ کے حلقہ درس سے تمام عالمِ اسلام کے طلباء مستفید ہو رہے تھے۔

انہیں ایام میں امام مالکؒ عباسیوں کے تشدد کا نشانہ بنے۔ بعض کہتے ہیں آپ حنفیوں کے علی الرغم طلاقِ مکرہ کے خلاف تھے۔ بعض کہتے ہیں انہوں نے جبریہ بیعت سے انکار کیا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ انہوں نے کسی علوی مدعی خلافت کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ بہرحال وجہ کوئی بھی ہو۔ آپ کو کوڑے لگائے گئے۔ اونٹ کی ننگی پیٹھ پر سوار کر کے شہر میں تشہیر کی گئی۔ آپ کے بازو توڑ دیئے گئے۔

آپ کے حلقۂ درس میں اندلس کے جو طلباء تھے وہ اکثر ہشام کے تورّع اور تقوے کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ اور امام مالکؒ بھی ہشام کی تعریفیں سُن کر اکثر کہتے تھے کہ خلیفۂ برحق کے یہی اوصاف ہیں۔ جب امام مالکؒ کی باتیں ہشام تک پہنچیں تو اس نے تمام اندلس [illegible] آ گئے

فقہ مالکی کی تعلیم و تربیت کے لئے مدرسے جاری کئے۔ ہشام اور امام مالکؒ دونوں عباسیوں سے نالاں تھے۔ عباسیوں کا مذہب حنفی تھا۔ یہ گویا دینی طور پر دو مذاہب کا ہی ٹکراؤ نہ تھا بلکہ دو سلطنتیں بھی پورے طور پر ان دو مذاہب کی تبلیغ و اشاعت میں بھر پور طور پر کوشاں تھیں۔ ان مذاہب کی اشاعت کے پیچھے تدین یا للہیت کے جذبات نہ تھے بلکہ ذاتی بغض، تعصب، عناد اور ضد کے جذبات کارفرما تھے۔ ۱۸۰ھ / ۷۹۶ء میں ہشام کا انتقال ہو گیا اور الحکم سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس نے زمار نگین طبیعت پائی تھی۔ یہ فقہ حنفی کی آڑ میں حرمت شراب کا قائل نہ تھا۔ حنبلی فقہاء کو اس کی یہ ادا پسند نہ آئی۔ وہ اس وقت تک اندلس میں بہت بڑی طاقت کے مالک بن چکے تھے۔ الحکم ان لوگوں کے مراتب کا خاص خیال رکھتا تھا۔ مگر اس اختلاف کی وجہ سے اندر ہی اندر کھچڑی پکتی رہی۔ یہاں تک کہ بات اختیارات تک جا پہنچی۔ کہ کس امر میں الحکم کو اختیار ہے۔ اور کس امر میں فقہاء کو۔ اس کھینچا تانی میں فقہاء یکجہت ہو کر ایک بہت بڑی قوت بن گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں طاقتوں کا ٹکراؤ ناگزیر ہو گیا۔

آخر یحییٰ ابن یحییٰ فقیہ اور عیسیٰ ابن دینار کی سازشیں ابن شماس کو جو الحکم کا چچا تھا گھیرنے لگیں اور اسے کہا گیا کہ الحکم کے بعد تمہیں مسند امارت پر بٹھایا جائے گا۔ اس نے سب کچھ الحکم کو بتا دیا۔ اور الحکم نے ۱۹۰ھ کے لگ بھگ سب کو مختلف طریقوں سے قتل کرا دیا۔

عباسی چالاک اور بیدار مغز تھے۔ ان میں سے جب کبھی باپ نے بیٹے کو اپنے سامنے رکاوٹ سمجھا تو اُسے قتل کر دیا۔ بیٹے نے باپ کو اپنی کسی خواہش کے سدِّ راہ پایا تو اُسے تلوار کی نوک پر رکھ دیا۔ بھائی نے بھائی کو اور ماں نے بیٹے کو نہ بخشا۔ ان حالات میں پروان چڑھنے والے احناف ماپ تول کر قدم اٹھاتے رہے۔ انہوں نے عباسیوں کو ظلّ اللہ سمجھا۔ انہیں عیاشی کی کھُلی چھٹی دی کسی موقع پر فائدہ اٹھانے سے گریز نہ کیا۔ مگر مالکیوں کے تشدّد نے انہیں عدم آباد کا راستہ دکھایا۔ فقہاء کی اس کھیپ کے قتل ہونے کے بعد ان کے مقلّدین میں تشدّد اور بڑھ گیا۔ اب ان کا رُخ بادشاہوں کی طرف سے ہٹ کر عوام کی طرف ہو گیا۔ یہ لوگ سوائے اپنے تمام مسلمانوں کو غالی حنفیوں کی طرح کافر بلکہ واجب القتل سمجھتے تھے۔ مالک بن اسیلی ایک نوجوان

نے فلسفہ پڑھنے کا ارادہ کیا۔ مگر جب اُسے معلوم ہوا کہ اس میں جان کا خطرہ ہے تو فقہ مالکی پڑھنی شروع کر دی[1]۔ احیاء العلوم کے متعلق قاضی قرطبہ ابن احمد نے فتویٰ دیا کہ جو اسے پڑھے گا وہ کافر ہو کر مبتلائے عذاب ہوگا۔ اور احیا کی تمام جلدیں اکٹھی کر کے جلا دیں۔ یہ تشدّد علی بن یوسف بن تاشفین کے زمانہ تک رہا۔ مرابطین کے اس خاندان کی سلطنت کی حدود اندلس سے باہر افریقہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اور اس تمام سلطنت میں فقہ مالکی کے علاوہ حدیث نبوی پڑھنا تو درکنار اسے دیکھنے تک کے روادار نہ تھے۔ علی بن یوسف نے اعلان کرایا کہ احیاء کی تمام جلدیں جلا ڈالی جائیں اس کے بعد اگر کسی کے پاس کوئی نسخہ ملا تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور اس کی جائداد ضبط کر لی جائے گی۔

اگر مالکی نسبت ہمارے سامنے بطور ایک مذہب کے نہ ہوتی بلکہ شاگردانہ نسبت کے طور پر ہوتی اور آپ کے مقلد مالکی کہلانے کی بجائے اہلحدیث کہلاتے جو امام موصوف کے عین خیالات و عقاید کے مطابق تھا تو یہ امر ہر زمانہ میں چار پانچ کروڑ مسلمانوں کے بھٹکنے کا موجب نہ بنتا۔

مگر جب حنفی مذہب نے اپنے آپ کو ایک مذہب کے طور پر پیش کیا تو مالکی نسبت والوں کو بھی اپنا آپ مالکی مذہب کی صورت میں پیش کرنا ناگزیر ہو گیا۔

---

[1] ابن خلدون، ابن خلکان، ابن عذاری، قرطاس، مقری، نویری، ابن عبدالواحد، ابن القوطیہ وغیرہ کو بحوالہ عبرت نامہ اندلس ... ہسپانیہ کی عبرت ناک داستان ... صفحہ ۴۲۶ تا ۴۲۸ اور ۱۱۴۸ تا ۱۱۷۳ سے تلخیص۔

یہ تفصیل پیش کرنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی ہے کہ آج جس شد و مد سے جو لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں۔ کہ ایک امام کی تقلید مقلد پر فرضِ عین ہے وہ ذرا غور کریں کہ امام شافعیؒ کے مقلدین میں سے ان کی کسی تصنیف سے اس قسم کا کوئی ایک واقعہ بھی ثابت کر دیں جس سے جامد مقلدین کے دعویٰ کا معمولی سا ثبوت بھی مل سکتا ہو۔ تصوف میں کیمیائے سعادت اور احیاء العلوم، منقولات و معقولات میں غزالی، رافعی، عزیز الدین۔ نووی اور سبکی کی تصنیفات تمام اسلامی مدارس کے نصاب میں سبقاً بھی پڑھائی جاتی ہیں۔ یہاں کسی حنفی کو کبھی یہ کہنے کی جراُت نہیں ہوئی کہ یہ کتابیں شافعی علماء کی تصنیفات ہیں۔ انہیں مت پڑھو۔ بلکہ یہ کتابیں حنفیوں کا علمی سرمایہ ہیں۔ پھر یہ دورُخا پن کیوں؟ اس تشتت و افتراق کی وجہ کیا؟ یہ سرپھٹول اور کفر و شرک کی مشین گنوں کے دہانے کیوں کھلے رہتے ہیں اور مزید یہ کہ آخر امام شافعیؒ نے امام مالک کی تقلید چھوڑ کر کیوں نئے مذہب کی بنیاد رکھی؟ کیا آج کے مسلمہ اصولات متعلقہ تقلید کی زد ان پر نہیں آتی۔ حقیقت یہ ہے کہ امام شافعیؒ اس حد تک مجتہد تھے کہ انہوں نے پیش آمدہ واقعات کو مدنظر رکھ کر قرآن و حدیث سے استنباط کرتے ہوئے مسائل میں وسعت پیدا کی اور جہاں ان کی نظر نہ پہنچ سکی وہاں اجتہاد سے بھی کام لیا۔ مگر انہوں نے کسی کو اپنی تقلید کی طرف رغبت دلائی اور نہ اُن کی زندگی میں کوئی گروہ ان کی تقلید پہ مجتمع ہوا۔

در اصل حنفیؒ، مالکیؒ اور شافعیؒ شاگردانہ نسبتیں تھیں جنہیں بعد میں مذہب بنا لیا گیا۔ چونکہ ملکِ مصر میں امام شافعیؒ کے شاگرد زیادہ تھے اس لیے مصر میں اس مذہب نے بہت فروغ حاصل کیا۔ جب حکومت ایوبیہ کا مذہب شافعی ہو گیا تو الناس علیٰ دین ملوکھم کے مصداق تمام لوگ شافعیؒ ہو گئے۔ جامع ازہر کے شیخ کا منصب عرصہ تک شافعیؒ علماء کے لیے مخصوص رہا۔ ریف۔ فلسطین۔ شرقِ اُردن۔ شام۔ لبنان۔ بیروت۔ حجاز۔ پاکستان۔ ہند۔ چینی۔ انڈونیشیا اور یمن میں شافعی مذہب کے پیرو ہیں۔ ان کی تعداد دس کروڑ سے زیادہ ہے۔

امام شافعیؒ :

محمد بن ادریس شافعیؒ قریشی ۱۵۰ھ میں غزہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۰۴ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ آپ نے بہت سفر کیے۔ امام مالکؒ اور امام محمدؒ بن حسن شیبانی حنفی ثم مالکی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ شروع میں امام مالک کے مقلد اور اہلحدیث تھے۔ پھر نئے تجربات سے متأثر ہو کر ایک خاص مذہب کے بانی ہوئے۔ آپ فنِ لغت۔ فقہ اور حدیث کے متبحر عالم تھے۔ نہایت دقیق الفکر اور فصیح البیان تھے۔ آپ کا مذہب مالکیوں اور حنفیوں کے بین بین ہے۔ اجماع اور قیاس سے بھی استنباط کرتے ہیں۔ مگر حنفیوں کے استحسان اور مالکیوں کے مصالح مرسلہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ آپ کا علمی سرمایہ کتاب الام آپ کے شاگرد ربیع بن سلیمان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔

آپ کے شاگردوں اور مقلدین میں امام احمد بن حنبل۔ داؤد ظاہری۔ ابو ثور بغدادی ابو جعفر ابن جریر طبری جو سب کے سب آگے چل کر نئے مذاہب کے بانی ہوئے۔ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ مصر میں ابو یعقوب بویطی متوفی ۲۳۱ھ۔ اسماعیل مزنی متوفی ۲۶۴ھ مؤلف کتاب المختصر۔ ربیع بن سلیمان مرادی متوفی ۲۷۰ھ جو کتب شافعیؒ کے راوی ہیں۔ ربیع بن سُلیمان جیزی متوفی ۲۵۶ھ قابلِ ذکر ہوئے ہیں۔

امام شافعیؒ کے مقلدین میں سے بعد میں ابو اسحٰق فیروز آبادی متوفی ۴۷۶ھ مصنف کتاب مہذب۔ ابو حامد غزالی متوفی ۵۰۵ھ مصنف علمِ اصول۔ المصطفےٰ۔ الوجیز۔ کیمیائے سعادت اور احیاء العلوم الدین وغیرہ، ان کی مؤخر الذکر دونوں کتابیں رطب و یابس سے پُر ہیں۔

ابو القاسم رافعی متوفی ۶۲۳ھ مصنف فتح العزیز شرح الوجیز۔ قاضی عزیز الدین متوفی ۶۶۰ھ مصنف قواعد الاحکام فی مصالح الانام۔ محی الدین نووی متوفی ۶۷۶ھ مصنف کتاب کبیر المجموع۔ شرح مہذب۔ شرح صحیح مسلم۔ منہاج الطالبین۔ تقی الدین علی سبکی متوفی ۷۵۶ھ مؤلف تکملۃ المجموع للنووی۔ شرح منہاج البیضاوی۔ فتاویٰ سبکی۔ جلال الدین سیوطی مؤلف کتب کثیرہ مثل الاتقان۔ تکملہ تفسیر جلالین۔ شرح سُنن نسائی و ابن ماجہ ہیں۔

امام احمد بن حنبل : (پیدائش ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ)

آپ اپنے وقت کے بہت بڑے امام تھے۔ تحصیلِ علم کے سلسلہ میں شام، حجاز، یمن، کوفے اور بصرے کا سفر کیا۔ مسند احمد بن حنبل میں چالیس ہزار حدیثیں قلم بند کیں۔ آپ اجتہاد بالرائے سے احتراز کرتے تھے اور قرآن و حدیث سے استدلال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے آپ کو زمرہ مجتہدین سے زیادہ زمرۂ محدثین میں شمار کیا ہے۔ مثلاً ندیم نے فقہائے حدیث کے باب میں ابنِ حنبل کو بخاری، مسلم اور دیگر محدثین کے ساتھ رکھا ہے۔ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الانتقاء فی فضائل الائمہ میں اور طبری نے اختلاف الفقہاء میں اور ابنِ قتیبہ نے کتاب المعارف میں امام احمد بن حنبل کا اور ان کے مذہب کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

مگر افسوس کہ یارانِ طریقت آپ کو بھی کھینچ تان کر آئمہِ فقہا کی صف میں گھسیٹ لائے۔ حقیقتاً امام احمد بن حنبل نے بھی دیگر آئمہ کی طرح کسی کو اپنی تقلید کی طرف راغب نہیں کیا۔ مگر گردشِ زمانہ اور حالاتِ وقت نے جن صراطِ مستقیم سے بھٹک جانے والوں کو اہلِ سنت کا نام دے رکھا وہ امام موصوف کو کیا بخشنے والے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے تھے۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے شاگرد تھے۔ اِس لحاظ سے اِن آئمہ ثلاثہ کے فروعی اختلافات کسی نہ کسی طریقہ سے قرآن و سنت کی حدود کے اندر ہی تھے۔ یہاں بھی پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبل اگر امام شافعی کے شاگرد تھے تو پھر اُنہوں نے امام وقت کی تقلید چھوڑ کر اپنا الگ مذہب کیوں جاری کیا؟ اُنھیں یہ حق کس نے دیا؟ وہ ترکِ تقلید کے بعد کس زمرہ میں داخل ہوئے؟ اور اگر وہ ترکِ تقلید کے بعد مسلمان ہی رہے بلکہ خود امام بن کر ایک مذہب کے بانی بن کر آئمہ کے گروہ میں شامل ہو گئے تو آج ترکِ تقلید کی یہ وعیدیں کیوں؟

امام احمد بن حنبل کا دور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے لیے ایک برقِ خاطف دور تھا۔ ان کے زمانہ میں مسئلہ خلقِ قرآن ایک آندھی کی طرح اُٹھا۔ خلفائے عباسیہ کی سرپرستی میں مسلمانوں پر برقِ صاعقہ بن کر گرا اور وہ لوگ زیادہ اس کی لپیٹ میں آ گئے جنھوں نے

اس مسئلہ کی زیادہ مخالفت کی۔ خلیفہ واثق باللہ کے عہد میں آپ پر بڑی سختیاں کی گئیں۔ اور آپ کو قید و ضرب کی سزائیں دی گئیں۔

آپ کے مقلدین :

ابُو بکر بن ہانی مصنف کتاب سنن فی الفقہ۔ ابُو القاسم خرقی متوفی ۳۳۴ھ مصنف المختصر۔ عبدالعزیز بن جعفر متوفی ۳۶۳ھ۔ شمس الدین بن قدامہ متوفی ۶۸۲ھ مؤلف شرح الکبیر علی متن المقنع۔ شیخ عبدالقادر جیلانی مصنف غنیۃ الطالبین۔ تقی الدین احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ۔ ابنِ قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ مصنف زاد المعاد۔ موفق الدین بن قدامہ مصنف کتاب المغنی۔ جس کے متعلق رسالہ المنار جلد ۲۶ ۱۳۴۴ھ صفحہ ۲۷۸ پر مدیر رسالہ نے لکھا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ المغنی چھپوانے والا پیدا کرے گا تو میں اس خطرہ سے مطمئن ہو کر مروں گا کہ فقہ اسلامی مٹ جائے گی۔ آخر مطبع المنار مصر نے اسے بارہ جزو میں طبع کرایا۔

حنبلی مذہب سب سے کم پھیلا۔ ابتدا اس مذہب کی بغداد سے ہوئی۔ چوتھی صدی ہجری میں عراق کے مضافات میں اور چھٹی صدی ہجری میں مصر میں پھیلا۔ اس کی تجدید امام ابنِ تیمیہ اور ابنِ قیم سے ہوئی اور آخر محمد بن عبدالوہاب نے اپنی اصلاحی تحریک میں اس کی خوب نشر و اشاعت کی، حجاز میں آج کل تمام حنبلی مذہب کے پیرو ہیں۔

سطورِ بالا کی روشنی میں دوبارہ آئمہ اربعہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ ان آئمہِ ثلاثہ کے علی الرغم امام ابو حنیفہؒ کا مذہب سراسر قیاس، استحسان اور رائے پر مبنی ہے، وہ اپنی رائے کو قرآن و سنت کے علاوہ بلکہ قرآن و سنت کے علی الرغم اپنی وسعتِ نظر کے تحت پھیلاتے اور بڑھاتے چلے گئے ہیں۔

اِن چار مذاہب کے علاوہ مذہب اوزاعی، مذہب ظاہری، مذہب طبری نے بھی کچھ رواج پایا۔ مگر اِن مذاہب کو چونکہ کسی بادشاہ یا اس کے نائب کی سرپرستی حاصل نہ ہو سکی اس لیے یہ مذاہب مِٹ گئے۔ امام ابُو حنیفہؒ کا مذہب امام ابو یوسفؒ کی وجہ سے پھیلا جو مسلمانوں کی بدنصیبی سے عباسی خلافت میں جج ہائی کورٹ بن گئے۔ شافعیؒ

مذہب کو صلاح الدین ایوبی مل گیا۔ مالکی مذہب کو مدینہ منورہ کا مرکزی مقام حاصل تھا۔ مگر حنبلی مذہب کو نہ کوئی مرکزی مقام ملا اور نہ کسی حاکم وقت نے اس وقت اس مذہب سرپرستی کی۔ یہ اگر بچا تو چند جلیل القدر اور حق پرست علماء کی وجہ سے اور قرآن و سنت کی برکت سے۔ مذہب اوزاعی، ظاہری اور طبری ان تمام سہولتوں سے محروم رہے۔

مذہب اوزاعی :

ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی ۸۸ھ میں بعلبک میں امام ابوحنیفہؒ کی ولادت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ فقیہ، پرہیزگار، عالی ہمت اور عالم حدیث تھے بیروت میں آپ کے مقلد تھے۔ پھر اندلس میں پھیلے۔ آخر مالکی مذہب کے پہنچنے پر یہ مذہب ختم ہو گیا۔ امام اوزاعی کا مذہب مالکی، شافعی اور حنبلی مذہب کی طرح اہلحدیث میں شمار ہوتا ہے۔ ۱۵۷ھ میں بیروت میں وفات پائی۔

مذہب ظاہری :

داؤد بن علی اصفہانی عرف ابو سلیمان ظاہری ۲۰۲ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ پہلے مذہب شافعی کے مقلد تھے۔ پھر آپ نے اپنا الگ مذہب قائم کیا۔ اس مذہب میں قرآن و حدیث کے ظاہری معنوں پر عمل ہوتا ہے۔ ان کے ہاں اجماع بھی اس وقت قابلِ استدلال نہیں جب تک اس پر تمام امت کا اتفاق نہ ہو۔ اور نہ وہ قیاس کے قائل ہیں جب اس کی بنیاد کسی نصِ قطعی پر نہ ہو۔ رائے اور استحسان کو بھی دلیلِ شرعی نہیں تسلیم کرتے۔ وہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے اس کے اطلاق سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ آٹھویں صدی ہجری میں یہ مذہب ختم ہو گیا۔ ابن حزم مصنف کتب الاحکام لاصول الاحکام۔ کتاب المحلی فی فروع الفقہ۔ کتاب الفصل والاہواء والنحل اسی مذہب کے مقلد تھے۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین کے کلام کو کذب اور احمقانہ کلام وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ ظاہری ۲۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

قطب الدین ایبک سے پہلے برصغیر میں یا اہل حدیث تھے اور یا مذہب ظاہری کے مقلد۔

مذہب طبری

اہل سنت کے تمام فرقوں بلا امتیاز مقلدین و غیر مقلدین کو طبری کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے اہل سنت کی اکثر غیر محققانہ تالیفات میں طبری کے حالات کا خلاصہ اس طرح مرقوم ہے۔

طبری قاضی نوراللہ شوستری کی قسم کا تقیہ باز مسلمان تھا۔ اس کی تفسیر سے قطع نظر اس کی تاریخ میں مختلف اور متضاد قسم کی سینکڑوں روایات ملتی ہیں۔ جواب کے متعلق پہلے صحیح واقعہ لکھتے ہیں۔ مگر جب اُسے رفض کا مروڑ اٹھتا ہے تو اس واقعہ کو سیدہ صدیقہ کائناتؓ کی ذات پر چسپاں کر دیتا ہے۔ طبری کے تمام ماخذ رافضی، کذاب اور غیر ذمہ دار قسم کے لوگ تھے۔ داستان کربلا کا خالق ابو مخنف غالی رافضی تھا۔ ابن اسحاق کی ایتالوی آج نایاب ہے۔ مگر اس کا چربہ سیرت ابن ہشام کے نام سے ہمارے سامنے موجود ہے۔ جو رطب و یابس کا پلندہ ہے۔

ابن ہشام کے بعد واقدی کا نمبر ہے۔ احمد بن حنبل اسے کذاب کہتے ہیں (ح) بخاری متروک الحدیث کہتے ہیں (ح)۔ شافعی کہتے ہیں کہ اس کی تمام روایتیں کذب کے پلندے ہیں (ح)۔ نسائی اُسے پکا کذاب کہتے ہیں (ح)

طبری سادات بنو امیہ کا پکا دشمن تھا۔ انہیں وہ خطا کار، غلط کار، بدکردار اور شقی ذلیل لکھتے ہیں تو وہ پھر نہیں حیا کرتا۔ اس نے سادات بنو امیہ کو ظالم و غاصب کہنے کے لئے ابی مخنف کی تالیف مقتل حسینؓ کی آڑ میں امیر یزیدؒ سے یہ سلسلہ شروع کیا۔ اور آگے بڑھتا بڑھتا آخری اموی خلیفہ مروان تک جا پہنچا۔ اور پیچھے ہٹتا ہٹتا امیر المومنین سیدنا امیر معاویہؓ، امیر مروان بن حکمؓ سے ہوتا ہوا سیدنا ذوالنورینؓ اور ان کے ساتھ صدیقہ کائناتؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ تک جا پہنچا۔ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن سرح، سعد بن عقبہ کو بھی رگید ڈالا۔ طبری نے ائمہ اربعہ کی مقبولیت دیکھی تو اجتہاد کا دعویٰ کیا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اُسے یہ صورت آسان نظر آئی کہ تاریخ اسلام لکھی جائے۔ اور اس میں وہ امید سے بڑھ کر کامیاب ہوا۔

طبری کے رفض پر سب سے بڑا شاہد اس کا حقیقی خواہر زادہ محمد بن العباس خوارزمی

مشہور ہجو گو شاعر ہے۔ اس کی تمام تربیت اپنے ماموں طبری کے گھر ہوئی۔ یاقوت حموی کے قول کے مطابق محمد بن العباس فخریہ کہا کرتا تھا۔ آمل میرا مسکن ہے اور جریر کے بیٹے میرے ماموں ہیں۔ اور ہر شخص اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے تو سن رکھو! میں وراثتاً رافضی ہوں۔ میرے سوا جو رافضی ہے وہ دُور کے لگاؤ سے رافضی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن جریر طبری بھی شیعہ بن گیا تھا۔ ابن حجر کے شیخ الشیوخ ابن حیان طبری کو فرقہ امامیہ کے ائمہ میں سے ایک امام کہا کرتے تھے۔

علامہ سلیمان متوفی ۱۲۹۴ھ کہتے ہیں کہ طبری شیعوں کے لیے حدیثیں گھڑا کرتا تھا اور یہ بات تو مسلم ہے کہ طبری وضو میں پاؤں کے مسح کا قائل تھا۔ اس نے خم غدیر والی وضعی روایت پر ایک تصدیقی رسالہ بھی لکھا جو شیعہ امامت کے منصوص ہونے کے عقیدہ پر تالیف کی تھی۔ اس نے اپنی تاریخ میں جہاں بھی سیدنا علیؓ کا نام لکھا ہے شیعہ شعار کے مطابق ان کے اور ان کے اخلاف کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام کا لاحقہ چسپاں کیا ہے۔

طبری کی تاریخ کی آٹھویں جلد طبع اول مطبع حسینیہ مصر کے صفحہ ۲۴۴ پر امیر المؤمنین امیر معاویہؓ کے نام پر لعن تحریر ہے۔ اور صفحہ ۲۹ پر امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کے ناموں پر لعنہما اللہ لکھا ہوا ہے۔

طبری کو مسلمانوں نے اپنے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا تھا اس کے بعد جس قدر تاریخیں لکھی گئیں ان سب کا ماخذ طبری ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخوں کے ماخذ حوالجات رفض کے ترجمان ہیں۔ دورِ حاضرہ کی رسوائے زمانہ تالیف حقیقت خلافت وملوکیت بھی ابن جریر طبری کا چربہ ہے جس میں ساداتِ بنو امیہ کے خلاف جی بھر کر دراز دستی کی گئی ہے۔

۳۱۰ھ میں بغداد میں فوت ہوا۔ مسلمان اس کے تقیہ کے رفض کو پہچان چکے تھے اس لیے انہوں نے اسے اپنے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا۔ اور اپنے گھر کے صحن میں ہی دفن کیا گیا۔

دیگر متروک مذاہب کے بانی :

عبداللہ بن شبرمہ متوفی ۱۴۴ھ، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ قاضی کوفہ متوفی ۱۴۸ھ، سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ۔ لیث بن سعد متوفی ۱۷۵ھ۔ شریک النخعی متوفی ۱۷۷ھ۔ سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ۔ اسحٰق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ۔ ابراہیم بن خالد بغدادی عرف ابو ثور متوفی ۲۴۶ھ۔

مندرجہ بالا سطور کا خلاصہ کچھ یوں سامنے آتا ہے کہ اہلسنت میں کم و بیش پندرہ مذہب ہوئے ہیں۔ سات مجتہدین کے مقلد اپنے اپنے وقتوں میں پھیلے اور آخر میں صرف چار رہ گئے۔ آٹھ مجتہدین کی مذہبی کوششیں اپنے وقت اور محدود حلقہ اثر تک ہی رہیں۔

یہ سات آئمہ کرام جن کے مذاہب پھیلے بظاہر تعداد میں سات ہیں مگر در اصل یہ صرف دو اسکولوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک طرف اصحاب اہل الرائے یعنی امام ابو حنیفہ اور ان کے مقلدین اور دوسری طرف باقی چھ ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے مذہب کی بنیاد قیاس پر رکھی اور باقی چھ نے کتاب و سنت پر۔

امام ابو حنیفہؒ

امام ابو حنیفہؒ ایک نو مسلم گھرانہ میں ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے عام وقت کے رواج کے خلاف جوانی میں علم حاصل کرنا شروع کیا۔ امام ابو یوسف آپ کے پروردہ اور شاگرد رشید بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بیان کیا کہ جب میرا ارادہ علم حاصل کرنے کا ہوا تو میں تلاش کرنے لگا کہ کونسا علم اچھا ہے (گویا علم حاصل کرنے کا مقصد دین سیکھنا نہ تھا بلکہ دنیا میں نام اور شہرت پیدا کرنا تھا) سو میں علموں کے فائدے پوچھنے لگا۔ پس مجھ سے کہا گیا کہ قرآن سیکھو۔ میں نے کہا کہ اگر میں قرآن سیکھوں اور اس کو یاد کر لوں تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا کہ مکتب میں بیٹھ کر لڑکوں کو پڑھاؤ گے اور کمسن آدمی پڑھیں گے۔ پھر کچھ عرصہ بعد ان میں سے کوئی لڑکا تم سے بڑھ کر یا تمہاری مثل حافظ ہو جائے گا۔ اور تمہاری سرداری جاتی رہے گی (گویا قرآن پڑھنا خیر کا

من تعلم القرآن و علمہ کے حکم کے مطابق نہ تھا) میں نے کہا کہ اگر میں حدیث سُنوں اور لکھوں اور اس میں ایسا کمال حاصل کر دوں کہ سب سے بڑھ کر محدث بن جاؤں، لوگوں نے کہا کہ جب تم بڑی عمر کے ہو جاؤ گے اور حدیث پڑھاتے رہو گے اور کمسن اور جوان لوگ تمہارے شاگرد ہوں گے اور تم بھولنے سے نہیں بچ سکو گے تو تم پر جھوٹ کا طعن لگے گا پس تم پر اس کا عار ہو گا۔ تو میں نے کہا اس کی بھی مجھے حاجت نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ نحو سیکھوں اور عربیت میں کمال حاصل کر دوں تو نتیجہ کیا ہو گا؟ لوگوں نے کہا معلم بنو گے اور اکثر تمہاری تنخواہ دو یا تین دینار ہو گی۔ میں نے کہا اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ پھر میں نے کہا اگر شاعری سیکھوں اور اس میں کمال پیدا کروں تو کیا نتیجہ ہو گا؟

لوگوں نے کہا تم کسی کی تعریف کر دو گے تو وہ تم کو سواری اور خلعت دے گا۔ اگر نہیں دے گا تو تم اس کی ہجو کر دو گے۔ پس بے عیبوں کو عیب لگاؤ گے اور وہ تمہیں نقصان بھی پہنچائے گا۔ میں نے کہا اس کی بھی مجھے حاجت نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اگر میں علمِ کلام یعنی منطق اور فلسفہ سیکھوں تو لوگوں نے کہا، اس علم کا سیکھنے والا ناقص باتیں کرنے سے نہیں بچتا۔ پھر اس پر زندیق وغیرہ ہونے کا عیب لگ جاتا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ اگر میں فقہ سیکھوں تو کیا ہو گا؟ لوگوں نے کہا تو تم سے مسئلے پوچھے جائیں گے۔ فتوے لیے جائیں گے اور قاضی اور مفتی بنانے کے واسطے بلایا جائے گا۔ اگرچہ تم اس سے بچنے والے ہو گے۔ پس میں نے کہا اس سے بڑھ کر میرے لیے کوئی علم فائدہ مند نہیں۔ پس میں نے فقہ کے علم کو خوب حاصل کیا۔ (گویا فقہ جس کا کتاب سنت سے کوئی تعلق نہیں) (طحطاوی جلد اوّل)

مولانا شبلی نعمانی امام ابو حنیفہ کی تعریف میں اس حد تک آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے فقہ حنفی کی تدوین کے سلسلہ میں امام صاحب کے لیے ایک مجلسِ شوریٰ بھی تیار کر دی جو سنہ ۱۲۱ھ سے سنہ ۱۵۰ھ تک رہی۔ لکھتے ہیں: "کہ اس مجلس کے ارکان میں سے امام محمدؒ امام طحاوی۔ قاضی ابو یوسف۔ امام زفر۔ یحییٰ بن ابی زائدہ۔ حفص بن غیاث۔ مندل اور حبان وغیرہ خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔" اللہ تعالیٰ مولانا شبلی کے اس تسامح سے درگذر فرمائے۔

اگر واقعتاً یہ بات سچی ہے تو فقہ کے ذخیرہ میں صاحبین کا دو ثلث مسائل میں اختلاف کیا معنی رکھتا ہے۔ جب اختلاف بدیہی اور واضح ہے تو کہاں کی مجلس اور کیسی تحقیق؟

پھر امام محمد کی پیدائش سنہ ۱۳۱ھ اور سنہ ۱۳۵ھ کے درمیان بیان کی جاتی ہے۔ (ابنِ خلکان) گویا مجلس کا رکن سنہ ۱۳۱ھ میں پیدا ہونے سے دس سال پہلے ہی امام صاحب کی مجلس میں شامل ہو نا رہا۔

قاضی ابو یوسف صاحب سنہ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور آٹھ سال کی عمر میں مجلس میں شامل ہو گئے۔ امام طحاوی سنہ ۲۳۹ھ میں پیدا ہوئے (ابنِ خلکان)

امام زفر سنہ ۱۱۰ھ میں پیدا ہو کر گیارہ سال کی عمر میں اس علمی مجلس کے ممبر بن گئے۔
یحییٰ بن زکریا سنہ ۱۱۹ھ میں پیدا ہو کر دو سال کی عمر میں اس تحقیقی مجلس میں شامل ہو گئے۔
حفص بن غیاث سنہ ۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔
حبان بن عبد العزی کی عمر سنہ ۱۲۱ھ میں دس سال کی تھی۔
ذرا اس مجلس کی ہیئتِ ترکیبی کو تعصب، ہٹ اور بے جا ضد کو چھوڑ کر دیکھیے اور خدارا انصاف فرمایئے کہ جس مجلس کے ممبر کچھ پیدا ہونے سے پہلے اور کچھ دو دو تین تین سال کی عمر میں بیٹھ کر کسی مسئلہ پر بحث کریں گے وہ کیسی مجلس ہو گی۔
یہی شبلی سیرۃ النعمان میں ایک جگہ لکھتے ہیں: "کہ امام صاحب کے مزاج میں تکلف تھا۔ اکثر خوش لباس رہتے تھے۔ کبھی کبھی سنجاب کے جُبّے بھی استعمال کرتے تھے۔ ایک بار انھیں چار سو درہم کی ایک چادر اور قمیص پہنے دیکھا۔ اکثر چار پانچ اشرفی کی چادر کو گندہ سمجھتے اور پہننے سے شرماتے۔"
ایسے شخص کو طلب علم حدیث کے لیے حجاز، مصر، یمن اور شام کا سفر کرنا اور پُر درد طالب علمی کی مصیبتیں برداشت کرنا اور احادیث کی حفظ کی مشقت اٹھانا کہاں گوارا تھا۔ اس وقت حدیث کا مجموعہ کسی ایک جگہ تو تھا نہیں کہ اسے منگوا کر حدیث میں شعور پیدا کر لیا جاتا۔ اس زمانہ میں تو محدثین مختلف اور دور دور مقامات میں پھیلے ہوئے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کے بس کا روگ نہیں تھا کہ وہ جابرؓ بن عبد اللہ کی طرح سفر کے متعلق تصرف

ایک حدیث سُننے کے لیے ایک اُونٹ خریدتے اور شام میں عبداللہ بن انیس کے پاس پہنچتے۔ یا ابو ایوب انصاری کی طرح مصر کا سفر کرتے۔ یہاں تو صرف شہرت اور عزت کی تمنا تھی اور قدر و منزلت کے حصُول کی طلب۔ اور ان باتوں کے لیے قیاس و رائے کے دروازے کھُلے تھے۔ اور یہ مقصد مقامی فقیہ حماد کی مجلس میں پُورا ہو سکتا تھا۔ اور ان کے ذریعے ابراہیم نخعی کے مسائل اور قواعد اپنی خداداد ذہانت اور طباعی سے یاد کر کے فتوے دینے شروع کر دیے۔ اور جس غرض کے لیے یہ معمولی سی کوشش کی تھی وُہ پُوری ہو گئی۔ اور فضا بھی ایسی مل گئی جہاں حجازی تدین کی علمی ضوفشانیاں، تقدس، خشیتِ الٰہی بمقابلہ حرمین نہ ہونے کے برابر تھا۔ کوفہ ایک فوجی نو آبادی تھی۔ جہاں مشرقی ممالک کے مختلف خیالات اور اذہان کے نو مُسلموں کی اکثریت تھی۔ جو اسلام کے سیلاب میں بہ کر کُوفہ پہنچ گئے۔ مگر ان کے قلوب حجازی مسلمانوں کے قلبی اثرات اور اسلامی محبت سے کوسوں دُور تھے۔ اگر ایسے فتوے امام صاحب مدینہ یا مکہ میں بیٹھ کر دیتے تو خدا معلوم آپ سے وُہ لوگ کیا سلوک کرتے۔ کوفہ میں اندھوں میں کانا راجہ کے مصداق آپ کا سکہ چل نکلا۔

احناف بتائیں کہ وہ کس ابوحنیفہ کے مقلّد ہیں ؟

جس طرح شیعوں نے اپنے مفروضہ و مزعومہ ائمہ کے متعلق ہزاروں سے متجاوز من گھڑت اور وضعی روایات کا ذخیرہ تیار کر کے انھیں ہزاروں مافوق الفطرت واقعات کا حامل قرار دے کر الوہیت کے مقام کے قریب پہنچانے میں ذرہ بھر شرم یا جھجکیاہٹ محسوس نہیں کی اسی طرح ائمہ اربعہ کے جامد مقلدین نے اور خاص کر حضرت ابوحنیفہ کے مقلدین نے ان کے متعلق وہ وہ گل افشانیاں کی ہیں کہ

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

۱۔ ~~حضرت~~ ابوحنیفہ رح کے مناقب میں بیان کیا گیا ہے کہ پیدائش کے بعد آپ کے والد حضرت علی رض کی خدمت میں لے گئے اور ~~حضرت~~ علی رض نے آپ کے حق میں دعا فرمائی۔

۲۔ صاحب درمختار کا دیا گیا بیان ہے کہ ~~حضرت~~ عیسیٰ علیہ السلام بھی آخری زمانہ میں ابوحنیفہ رح کے مذہب پر عمل کریں گے۔

جائزہ : ایک اولوالعزم پیغمبر کا ایک ایسے اُمتی کے من گھڑت مذہب پر عمل کرنا جسے ~~حضرت~~ صادق و مصدوق ؐ کے فرمودات سے کبھی حصہ نہ مل سکا ہو صریحاً رافض کے تخیلات کی ترجمانی ہے۔

۳۔ خضر علیہ السلام نے پانچ برس تک امام صاحب کی زندگی میں ان سے علم حاصل کیا اور پچیس برس ان کی قبر سے .... یہاں تک کہ وہ علم میں کامل ہو گئے۔

(ملخص از طحطاوی وقشیری)

جائزہ : اس قسم کے لغویات نقل کرنے سے بھی ہاتھ کانپتا ہے۔ دل لرزتا ہے اور حواس قابو سے باہر نکلے جاتے ہیں ~~حضرت~~ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ~~حضرت~~ خضر ؑ کے متعلق ایک تابعی بھی نہیں بلکہ تبع تابعی کے سامنے جیسے کما حقہٗ دینی بصیرت بھی حاصل نہ تھی ایسی قیاتہ خرافات وہی آدمی کر سکتا ہے جو عقل کا کورا، ایمان سے تہی اور پکا دین دشمن ہے یہاں اس بات سے بحث کا موقع نہیں کہ خضر کون تھا؟ کب پیدا ہوا؟ مر گیا ہے یا زندہ ہے؟ اگر خضر سے مراد ~~حضرت~~ موسیٰ ؑ کا وہ ساتھی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے تو اس مقام پر ایسا لکھنے والے نے سیدنا ~~حضرت~~ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر حملہ کرتے ہوئے ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ یہاں سوائے لاحول پڑھنے کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

۴۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ ؒ نے ~~حضرت~~ انس ؓ بن مالک[۱]، عبداللہ بن ادفی رض[۲]، جابر بن عبداللہ رض[۳]، عبداللہ بن انیس رض[۴]، عائشہ بنت عجرہ، واثلہ بن الاسقع رض[۵]، عبداللہ بن جزء رض[۶] سے چند احادیث کی سماعت کی۔

جائزہ : سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دے کر دین سے برگشتہ کرنے کے لئے کس قدر افترا آت اور بہتانات تراشے جا رہے ہیں۔ ان عقل کے اندھوں کو اس قدر بھی معلوم نہیں کہ انس ؓ بن مالک ۹۰ ہجری میں، انس بن مالک ابھی امیر یزید کی خلافت کے زمانہ میں، عبداللہ بن ادفی ۸۰ ہجری میں، جابر بن عبداللہ $\frac{۷۴}{۷۸}$ ہجری میں عبداللہ بن انیس ۵۷ ہجری میں واثلہ بن الاسقع $\frac{۸۵}{۸۶}$ ہجری میں، عبداللہ بن جزء $\frac{۸۵}{۸۶}$ ہجری میں فوت ہوئے۔

امام ابوحنیفہ ؒ کے فرضی اور مزعومہ فضائل کی داستانیں شیعیت کے مزعومہ ائمہ سے بھی کہیں گنا زیادہ ہیں۔ مگر اس باب کو اس بات پر ختم کرنا چاہتا ہوں کہ فقہ حنفیہ کے اس ناگفتہ بہ پلندہ میں بار بار ان الفاظ کی جو تکرار کی گئی ہے۔ عند ابی حنیفہ، قال ابی حنیفہ

ہذا مذہب ابی حنیفہ وغیرہ وہ کون سے ابوحنیفہ ہیں ؟

۱۔ ابوحنیفہ : نعمان بن ثابت کوفی کے ہاں ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ مجوسی النسل تھے۔ کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں آپ کے دادا مسلمان ہوئے تھے۔ چہ عجب کہ باقی مجوسی النسل تو مسلموں کی طرح نسلی عصبیت ورثہ میں پائی ہو اور بآل عمر کینہ قدیم است عجم را۔ کے زمرہ میں شمار ہوتے ہوں۔

۲۔ ابوحنیفہ : متوفی ۲۸۲ ؛ بڑے پائے کے عالم تھے۔ فراء اخفش اور ابن فارس جیسے لوگ انہیں امام مانتے ہیں کتب البادیہ پایا اور کتاب الجبر و مقابلہ کے مصنف ہیں۔ (زاد المعاد جلد ۴ ص ۲۵)

۳۔ ابوحنیفہ : کوفی ہیں۔ تیسرے طبقے کے محدثین میں شمار ہوتے ہیں ان کا ایک لڑکا عبید الاکرم خاص شہرت کا مالک ہوا ہے (تقریب التہذیب ص ۲۱۷)

۴۔ ابوحنیفہ : خالد بن یوسف سمتی کے شاگرد ہیں قبیلہ واسطہ سے تعلق رکھتے تھے (میزان الاعتدال ص ۲۷۲)

۵۔ ابوحنیفہ تابعی : نعمان والد کا نام ابوعبداللہ بڑے اماموں میں شمار کیے جاتے ہیں (ابن خلکان ص ۱۹۹)

۶۔ ابوحنیفہ : خوارزم کے مشہور امام ہیں۔ (طحاوی)

۷۔ ابوحنیفہ : جبیر بن مطعم کی وفات کے وقت موجود تھے۔ محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ص ۶۴۴)

۸۔ ابوحنیفہ : سلیمان کے شاگرد ہیں ان کے مشہور شاگرد کا نام عبدالکریم ہے (میزان الاعتدال ص ۱۷۱)

۹۔ ابوحنیفہ : امام شافعی کے اساتذہ میں سے تھے (مسند امام شافعی ص ۱۴۳)

۱۰۔ ابوحنیفہ : خطاب سابق الحاج تھا (کتاب الاسماء والکنی)

۱۱۔ ابوحنیفہ : نام احمد بن مصدق نیشاپور میں قیام تھا (ابن نجار)

۱۲۔ ابوحنیفہ : والد کا نام ماہان واسط میں انکی امامت مشہور تھی (کتاب الاسماء والکنی)

۱۳۔ ابوحنیفہ : نام عبدالکریم زیلعی بہت بڑے عالم فاضل ادیب اور فصیح اللسان تھے۔

۱۴۔ ابوحنیفہ : نام سلیمان بن حیان عذری اسماعیل بن عیاش محدث کے استاد اور مشہور امام تھے (کتاب الاسماء)

۱۵۔ ابوحنیفہ : صغیر لقب کے ایک فاضل شخص تھے (روح الایمان)

۱۶۔ ابوحنیفہ : نام جعفر بن احمد اپنے وقت کے امام تھے۔ (ایضاً)

۱۷۔ ابوحنیفہ : نام محمد بن عبداللہ بن علی خطبی تھے۔ اور اپنے وقت کے امام تھے (ایضاً)

۱۸۔ ابوحنیفہ : نام عبداللہ باپ کا نام ابراہیم ثانی ابوحنیفہ کہے جاتے تھے بہت بڑے فقیہ تھے (ایضاً)

۱۹۔ ابوحنیفہ : نام بجہ والد کا نام محمد۔ ابوحنیفہ صغیر کے نام سے مشہور تھے فقہ کے عالم امام اور ماہر مانے جاتے تھے (ایضاً)

۲۰۔ ابوحنیفہ : شیعوں کے بہت بڑے عالم اور شیعہ مذہب کے اہل قلم تھے بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ (کتاب الملل)

۲۱۔ ابوحنیفہ : نعمان بن ثابت ان کا لقب امام الاعلم تھا۔ اصلی وطن دمشق، بڑے خوش لباس خوش گو اور خوش خو تھے اعلیٰ پائے کے مصنف اور علامہ تھے (تقریب لسان المحدثین ص ۱۵۲)

گویا ابوحنیفہ کے ساتھ امام اعظم کے نام میں حصہ دار اور نعمان بن ثابت کے نام میں ساجھی اور امامت اور فقاہت میں شریک درجن بھر موجود ہیں اور پرلطف بات یہ کہ ابوحنیفہ کے نام کے یہ تمام اصحاب فقہ حنفیہ کی اولین تالیف قدوری جو ۴۲۸ھ

قیاسی مذہب کی بنیاد

قیاس کے ارکان و شرائط :

۱۔ اصل : مقیس علیہ یعنی جس پہ قیاس کیا جائے۔

۲۔ فرع : مقیس یعنی جس چیز کو قیاس کیا جائے۔

۳۔ حکم : جو حکم قیاس کے بعد لگایا جائے۔

۴۔ علت : جو مقیس اور مقیس علیہ میں مشترک ہو۔ اور قیاس کا سبب ہو۔ مثلاً :

خمر، اصل ہے۔

نبیذ، فرع ہے۔

نشہ، علتِ مشترکہ ہے۔ اور حرام ہونا حکم شرع ہے۔ مگر ہم فقہ حنفی میں کہیں بھی ان اصولات کو کارفرما ہوتے نہیں دیکھتے مثلاً قرآن نے خمر کو حرام قرار دیا ہے۔ خمر ہر نشہ آور چیز کو کہتے ہیں۔ بھنگ۔ گانجا۔ چرس وغیرہ تمام خمر ہیں۔ اسی طرح نبیذ بھی خمر ہے۔ مگر اپنے ان تیار کردہ اصولات کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ نبیذ اور آبا یوسفی کے نام کی نشہ آور چیزیں خلافت عباسیہ کے دور میں علی الاعلان فقہ حنفی کے فتووں سے استعمال ہوتی رہیں۔ اس کے ساتھ ہی اجتہاد بالرائے میں زیادہ وسعت نظر سے کام لے کر قیاس

استعمال کر کے اس کے ذریعے استنباطِ احکام میں یہاں تک کام لیا ہے کہ تمام احکامِ شرع کے لیے قیاس کو معیار قرار دے کر خواہ وہ احکام قرآن وسنّت سے ماخوذ ہوں یا نہ ہوں استحسان کا نام دے کر اپنے مقلدین کے لیے سہولت کی راہیں ہموار کر دیں۔

پھر مزید آسانی کے سبب اجتہاد کے درجے مقرر کر دیے۔

مُجتہدین کے درجے :

۱۔ مجتہد فی الشّرع :۔ جو کسی مذہب کا بانی ہو۔ جیسے مذہب اہلسنّت کے پندرہ امام ہیں جن میں سے چار کا مذہب اس وقت باقی ہے۔

۲۔ مجتہد فی المذاہب :۔ زندہ مذاہب کے بانیوں میں سے کسی ایک کا مقلد ہو لیکن بہت سے اصولی اور فروعی مسائل میں اختلاف رکھتا ہو۔ اور اپنے ذاتی اجتہاد سے مسائل کا استخراج کرتا ہو۔ جیسے امام ابو یوسف وغیرہ (کتنی عجیب ہے۔ اگر مجتہد فی المذاہب نے اصولات میں بھی اختلاف کیا تو یہ مقلد کہاں رہا۔ یہ تو خود ایک نئے مذہب کا بانی ہوا)۔

۳۔ مجتہد فی المسائل :۔ جو صرف فروعی مسائل میں اختلاف رکھتا ہو۔ جیسے مذہب حنفی میں سرخسیؒ اور مذہب شافعیؒ میں غزالیؒ۔

۴۔ مجتہد مُقیّد :۔ جو آرائے سلف کا پابند ہو اور انہیں کے اجتہاد کی پیروی کرتا ہو۔ اور ان کے احکام کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے ایک حکم کو دوسرے پر ترجیح دے۔ جیسے مذہب حنفی میں کرخی، قدوری، صاحب ہدایہ، فقہ کے چار متنوں کے مصنف۔

آپ اس گورکھ دھندے سے کچھ سمجھے ہوں تو شاید مگر میں باوجود اس بات کے کہ اپنی پوری طاقت علمانہ کاوشوں کو بروئے کار لا کر سالوں مغز سوزی کی ہے، کچھ نہیں سمجھ سکا سوائے اس کے کہ یہ ایک عجمی تحریک کی سازش کے برگ وبار ہیں۔ ایک طرف کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ ہے۔ اور ایک طرف پرپیچ ودرپیچ گھاٹیاں اور بھول بھلیوں سے پُر ناہموار راہیں۔ اور اتنے پُرپیچ موڑ اور خم دینے کے بعد جب سانپ تھیلے سے باہر نکلا تو آرام طلب، جاہ پسند، عیش وعشرت کے دلدادہ قلوب اور نظریں تو اپنی اغراض کو پورا ہوتے دیکھ کر مسحور ومخمور ہوگئیں۔ مگر جن کے دلوں میں خوفِ خدا کا ایک شمہ بھر بھی تھا۔

انہیں اللہ تعالیٰ نے ان خرافات سے محفوظ رکھا۔

سطور بالا کا ایک بار پھر سرسری طور پر جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے۔ مالکی، شافعی حنبلی اور حنفی سب ہی شاگرد اتا اور الگ الگ مکاتیب کی طرف نسبتیں تھیں۔ جس طرح آج کل جماعتی۔ رضوی۔ ندوی۔ دیوبندی۔ بریلوی نسبتیں ہیں۔ یا جیسے نقشبندی، چشتی، سہروردی اور قادری اصطلاحیں اور نسبتیں مروج ہوئیں ان کا بھی رواج ہو گیا۔ مگر ان میں سے اوّل الذکر تینوں مذاہب کی بنیاد چونکہ قرآن وحدیث پر تھی اس لیے ان میں اس قدر اختلاف آج تک نہیں پایا جاتا جس قدر حنفیت میں پایا جاتا ہے۔ اور اس کی بنیادی وجہ امام ابو حنیفہ کے اپنے حالاتِ زندگی کی روشنی میں چونکہ ذاتی اغراض، نام ونمود اور شہرت پر مبنی تھے لہٰذا حنفی مقلدین میں یہ صفت بانی کی نسبت پیروکاروں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔

آگے بڑھ کر جاہل مقلدوں نے ایسے بے بنیاد مسائل اختیار کیے جن کا فقہ سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ اور ان کے جب بھی کسی غلط اختیار کردہ مسئلہ پر اصلاح یا درستی کی کوشش کی گئی تو فوراً وہابی وہابی کی چیخ وپکار سے آسمان سر پر اُٹھا لیا گیا۔

ذبیحہ علی النصب، ذبیحہ لغیر اللہ، طواف قبور، قبور سے حاجت روائی، نذور لغیر اللہ المدد یا حضرت شاہِ نقشبند، یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ اور اسی قسم کی دیگر مشرکانہ باتوں سے فقہ حنفی بھی مانع ہے۔ مگر ایسے امور سے چونکہ ایک مخصوص طبقہ کی نفسانی خواہشات پوری ہوتی تھیں اس لیے جُہلا مقلدین کو اس ڈگر پر چلتا دیکھ کر دینِ اسلام میں بھی احبار ورُہبان پیدا ہو گئے۔ یا یوں سمجھ لیجیے کہ اوّل احبار ورُہبان پیدا ہوئے اور پھر اُنہوں نے دین کے نام پر ایسا جُہلا کا طبقہ پیدا کیا جو آج کتاب وسنّت کا نام بھی سُننے کے لیے تیار نہیں۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (الزمر : ۴۵)

"اور جب یاد کیا جاتا ہے صرف اکیلا اللہ تو نفرت کرتے ہیں دل اُن لوگوں کے کہ نہیں ایمان رکھتے قیامت پر اور جب یاد کیے جاتے ہیں وہ لوگ سوائے اللہ

سکے ہیں تب وُہ لوگ خوش ہوتے ہیں۔“

امام ابوحنیفہؒ کے اقوال :

یہ لوگ آئمہ اربعہ کے ان اقوال کو بھول گئے۔ بھول ہی نہیں گئے بلکہ ارادۃً ان سے انحراف کیا۔

ابنِ قیم امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ: ”لا یحل لاحد ان یقول بقولنا حتی یعلم من این قلنا۔ (قول المفید)

حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی“ جب تک میری بات کی دلیل معلوم نہ ہو میرے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے۔“ مطلب یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کے ان اقوال پر ہی فتوے دینا جائز ہے جن کا ثبوت قرآن اور حدیث سے ہو۔ اور جو باتیں قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ان کے مطابق فتوے دینا حرام ہے۔ پھر برعکس حکیم نے بتایا ہے کہ فتویٰ تو قرآن وحدیث کے مطابق دیا جائے اور ثبوت امام ابوحنیفہؒ کے ذریعے ڈھونڈا جائے۔ گویا دائیں کان کو ہاتھ لگانے کے لیے بائیں طرف سے گھما کر دائیں کان کو لگایا جائے سیدھا ہاتھ لگانا منع ہے۔ اور پھر اگر بات قرآن وحدیث پر ہی ختم ہے تو فقہ حنفی کے اس لاطائل ہفوات کا مقصد؟

امام ابوحنیفہ کا تیسرا قول ہے کہ: ”میرا قول قرآن کے خلاف ہو تو اُسے چھوڑ دو۔ لوگوں نے پُوچھا حدیث کے خلاف ہو تو پھر کیا کریں۔ فرمایا اُسے بھی چھوڑ دو۔ پھر پوچھا صحابہ کے فرمان کے خلاف ہو تو پھر کیا کریں۔ فرمایا تب بھی چھوڑ دو۔“ (روضۃ العلماء عقد الجید)

آپ کا چوتھا قول: ”جب دیکھو کہ ہمارے اقوال قرآن وحدیث کے خلاف ہیں تو قرآن وحدیث پر عمل کرو“ ”واضربوا بکلامنا علی الحائط“ اور ہمارے اقوال کو دیوار پر دے مارو۔“ (میزان شعرانی)

آپ کا پانچواں قول جو آب زر سے لکھنے کے لائق ہے: ”اذا صح الحدیث فھو مذھبی“ ”صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔“

امام ابوحنیفہؒ کے ان اقوال سے دو امر مستنبط ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کا

علم یقینی اور قابلِ حجت نہیں۔ اگر یقینی اور قابلِ حجت ہوتا تو آپ فرماتے کہ میں نے یہ تمام احکام قرآن وحدیث سے ظنی و یقینی اخذ کیے ہیں انہیں مضبوطی سے پکڑو یا دُوسرے یہ کہ اُس وقت اہلحدیث کی جماعت بطور ایک مذہب کے موجود تھی۔ اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اہلحدیث ایک نیا فرقہ ہے وُہ اپنے امام کے قول کو غور سے پڑھیں :

ظفر الامانی میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ ارشاد موجود ہے: ”ما جاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبالرأس والعین“ یعنی حدیث سے جو کچھ ثابت ہو وُہ میرے سر آنکھوں پر۔

امام ابوحنیفہ کے اس قول کے مطابق برادرانِ احناف کو تو یہ چاہیے تھا کہ وُہ حنفی فقہ اور قرآن وحدیث میں جہاں ٹکراؤ پاتے فقہی مسائل سے فوراً رجوع کرکے کتاب وسنّت کے دامن میں پناہ لیتے۔ لیکن آج تک ہزاروں اختلافی مسائل میں اُنہوں نے امام ابوحنیفہ کے حکم کے باوجود قرآن وحدیث سے انحراف کو ہی اپنا سرمایۂ جاودانی سمجھ رکھا ہے۔

شیخ محی الدین نے فتوحاتِ مکیہ میں سنداً بیان کیا ہے کہ امام صاحب نے فرمایا لوگو! دین میں رائے سے کوئی بات کہنے سے بچو۔ اور سنّت کی پیروی کو لازم پکڑو۔ کیونکہ جو سنّت سے نکل گیا وُہ گمراہ ہوگیا (میزان شعرانی)

اقول :- امام صاحب اتباعِ سنّت پر زور دیتے ہیں اور یہی بات اہلحدیث کہتے ہیں۔

آٹھواں واقعہ :- کوفہ میں ایک شخص دانیال کی کتاب لے کر آیا تو امام ابوحنیفہؒ اور دُوسرے لوگ اُس کے قتل کے درپے ہوگئے اور کہنے لگے کیا قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی اور کتاب بھی (دین میں) ہے۔ (میزان شعرانی)

اقول :- امام صاحب قرآن و حدیث کے علاوہ ایک آدمی کے ہاتھ میں کوئی دُوسری کتاب دیکھ کر بھی برداشت نہ کر سکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے امثالِ لُقمان پیش کیے گئے تو آپ نے قرآن پیش کیا۔ آپ کے سامنے توریت پڑھی گئی تو آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی کتاب پیش کی گئی تو آپ نے کھجور کے خوشے سے اُسے پیٹا اور ہمارے حنفی بھائی آج قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس کے مقابلہ میں طلباء کے سالہا سال فقہ کے مَن گھڑت مسائل پر خرچ کر دیتے ہیں۔ ہمارے عربی مدارس میں عقائد جیسے ضروری علم میں جو ہماری تعلیم کا تمام تر حاصل ہوتا ہے صرف شرح عقائد نسفی پڑھائی جاتی ہے جس کی نسبت نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ نہ تو نقلی حیثیت سے قابلِ اعتبار ہے نہ عقلی حیثیت۔ جیسے نسلی بخش جس نے ذرا ہمت کر کے قدم آگے بڑھایا وہ شرح مواقف کی بھول بھلیوں میں گم ہو گیا۔ اس سے آگے قدم رکھنے والے دُوانی۔ طوسی۔ خیالی اور سیالکوٹی کے ذہنی طلسمات اور زیر پیچات میں اُلجھ کر رہ گئے۔ بتائیے دین کہاں گیا۔ قرآن و حدیث کا مقام کیا رہا۔ پھر اگر قرآن و حدیث ہی نہیں تو مسلمانی کہاں رہی ؟

یہ ایک ٹھوس اور واضح حقیقت ہے کہ دیوبند جیسی عظیم الشان درسگاہ میں بھی سات آٹھ سال انہیں جھگڑوں کی بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں۔ اور آخر میں کہیں جا کر حدیث کی باری آتی ہے اور سب سے آخر میں جا کر کتاب اللہ کا نمبر آتا ہے جو کہ جلالین اور بیضاوی کی سورۂ بقرہ تک ختم ہو جاتا ہے۔

نواں قول :- امام ابوحنیفہؒ نے کہا میری تقلید نہ کرنا۔ اور نہ امام مالکؒ کی اور نہ کسی اور کی تقلید کرنا۔ اور احکامِ دین وہاں سے لینا جہاں سے اُنہوں نے لیے ہیں۔ یعنی کتاب و سنّت سے (تحفۃ الاخیار فی بیان الاخبار)

اقول :- یاد رکھیے یہاں امام ابوحنیفہؒ نے اپنی تقلید سے صاف منع کر دیا ہے اور کتاب و سنّت پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ مگر کیا کہیں ؟ کسے کہیں ؟ کن لفظوں میں کہیں ؟ کس طریقہ سے سمجھائیں ؟ اس حنفی کی شاگردانہ نسبت والوں کو جنہوں نے اپنے ہاں حنفی مذہب

بنا کر توحید سے لے کر طہارت تک کے مسائل میں اپنی من مانی کو مروّج اور شائع کر رکھا ہے۔

اَب ذرا تحقیق، خوف و انصاف سے ہٹ دھرمی اور ضد کو چھوڑ کر یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا اپنے مذہب کے متعلق جو خیال ہے کیا آپ کے مقلدین اس پر کاربند ہیں۔ جواب صاف نفی میں ہے تو لامحالہ :

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

فقہ حنفی کی تدوین :

اور وہ پردہ داری صاف ظاہر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ حنفی کی تدوین امام صاحب کی وفات سے تقریباً پونے تین سو سال بعد شروع ہوئی اور بارھویں صدی ہجری تک جاری رہی۔

فقہ حنفی کی پہلی کتاب قدوری ۴۲۸ھ میں لکھی گئی۔ مُصنّف : احمد بن محمد بن احمد بغدادی

ھدایہ : ۵۹۳ھ میں، مصنف :- برھان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی

مُنیۃ المصلی : ساتویں صدی ہجری میں

کنزالدقائق : ۷۱۰ھ میں، مُصنّف :- ابُوالبرکات عبداللہ بن احمد المعروف حافظ الدین نسفی

شرح وقایہ : ۷۴۵ھ میں، مصنف :- عبداللہ بن مسعود محبوبی

دُرِّ مختار : ۱۰۷۱ھ میں، مصنف :- محمد علاء الدین شیخ علی حصنی

فتاویٰ عالمگیری : ۱۱۱۸ھ میں چند مجہول الحال لوگوں نے مُرتّب کیا۔

آخر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی مصنف تفسیر مظہری نے ۱۲۲۵ھ میں مالا بُدّ منہ فارسی میں اور سب سے آخر تھانوی صاحب نے بہشتی زیور اردو میں لکھی۔ قدوری سے فتاویٰ عالمگیری تک تمام عربی زبان میں لکھی گئیں اور ان کے ساتھ ساتھ ہی قاضی خاں کا فتاویٰ۔ فتاوی تاتارخانیہ۔ فتاویٰ بزازیہ وغیرہ بھی معرضِ وجود میں آ گئے۔

دسواں قول :- امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ لوگ ہدایت پر رہیں گے۔ جب تک کہ ان میں حدیث کے طلباء رہیں گے۔ جب حدیث کو چھوڑ کر اور علم حاصل کریں گے تو

بگڑ جائیں گے۔ (میزان شعرانی)

اقول :- موجودہ اسلامی مدارس آپ کے سامنے ہیں۔

گیارھواں قول :- آثار اور طریقۂ صالحین پر جم جاؤ۔ اور ہر ایک نئی بات سے بچو کہ وہ بدعت ہے کسی نے پوچھا کہ لوگوں نے عمل بالحدیث چھوڑ دیا ہے اور اس کو صرف تبرکاً پڑھتے ہیں۔ فرمایا کہ ان کا حدیث پڑھنا بھی عمل بالحدیث ہے۔ (میزان)

اقول :- آپ کا یہ ارشاد کہ ہر نئی بات بدعت ہے احناف کے لیے سُرمۂ بصیرت بننا چاہیے تھا۔ اور سائل کے جواب میں آپ کا حدیث کو پڑھنا عمل بالحدیث کہنا آج کے مدارس میں کہاں گیا؟

بارھواں قول :- "ضعیفُ الحدیث احب الی من آراءِ الرّجال" لوگوں کی رائے کی نسبت مجھے ضعیف حدیث زیادہ محبوب ہے۔ (ردّ المختار)

مندرجہ بالا اقتباسات سے تو صاف نظر آتا ہے کہ امام صاحب کی ذات سے ایسی باتوں کو منسوب کرنا جو قرآن و حدیث سے مطابقت نہیں رکھتیں، یہ صریحاً امام صاحب پر زیادتی ہے۔ (ابقاف علی سبب الاختلاف میں مولانا محمد حیات سندھی حنفی اور دراسات اللبیب میں ملا معین حنفی فرماتے ہیں کہ کوئی قول امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے چونکہ یہ سب (عند ابو حنیفہ) بناوٹی اور من گھڑت ہیں اور متاخرین کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں جو سلف صالحین پر تھوپی گئی ہیں۔ اور ان کا فساد ظاہر ہے۔

اقول :- یہی بات تو ہم کہتے ہیں کہ اول تو فقہ حنفی سرے سے ایک غیر ضروری اور تضییع اوقات اور تشتت و افتراق پر مبنی فن یا علم ہے۔ اور دوسرے یہ کہ امام صاحب کی وفات سے پونے تین سو سال بعد ایک مسئلہ لکھ کر عند ابو حنیفہ لکھ دینا کتنی مہمل اور لغو بات ہے۔ دراسات اللبیب صفحہ ۲۹۱ پر ملا معین حنفی لکھتے ہیں: "تحقیق وہ قیاس جو صاف صاف کھلے ہوئے نہیں ہیں جن سے تنفیہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ اکثر اُن کی سند امام ابو حنیفہ تک نہیں پہنچتی" لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

میں آگے چل کر تدوینِ حدیث کے ضمن میں اسماء الرجال، روایت کے طرز

اور درایت کے فن کے متعلق اجمالاً تحریر کروں گا۔ مگر فقہ حنفی کے متعلق یہ امر قابلِ غور ہے کہ فقہ کی تمام کتابوں میں ہر مسئلہ کے بعد عند ابو حنیفہ یا عند ابو یوسف یا عند زفر یا عند محمد یا عند شیخین وغیرہ کا سنداً کیا ثبوت ہے۔ اول تو یہ بات ہی قابلِ توجہ ہے کہ تقلید شخصی کو اگر واجب قرار دیا گیا ہے تو ابو یوسف، زفر یا شیخین وغیرہ کو یہ حق کس نے دیا کہ وہ اپنی آراء پیش کریں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کے اور امام صاحب کے یہ مسائل اور احکام تین سو سال کے بعد کس طرح صحیح حالت میں صاحب قدوری یا صاحب ہدایہ نے قلم بند کرکے مروّج کیے۔

حدیث کے فن پر تو جرح و تعدیل ہو۔ مگر کسی زید بکر کے عند ابو حنیفہ کہنے کے بعد ہم اُسے حرفِ آخر اور کلامِ ناطق سمجھ لیں یہ کونسی تک ہے :

ع دل صاحبِ ادراک سے انصاف طلب ہے

حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے واقعی ایک مدرسہ قائم کرکے درس و تدریس کی بنیاد ڈالی۔ اور وہ ہر موقع پر کہتے رہے کہ چونکہ مجھ تک علمِ حدیث نہیں پہنچا اس لیے: "اُترکوا قولی بخبر رسول اللہ" میری بات کو نبی علیہ السلام کی باتوں کے مقابلہ میں ترک کر دینا۔ مگر یارانِ طریقت کے ذہنی زاویے اور تخیلاتی راہوار بہت بلند پایہ تھے۔ انہیں ایک حربہ ہاتھ آچکا تھا۔ اُنہوں نے اِس حربہ کی مدد سے خوب طبع آزمائی کی اور ضیافتِ کام و دہن کے لیے اپنی طبع سا سے خوب کام لیا۔ اُمت کی بدبختی سے امام صاحب کو ایک نہایت غریب مگر ذہین شاگرد میسر آگیا۔ جس نے آگے چل کر عجیب عجیب گُل کھلائے۔

صفحاتِ بالا میں امام صاحب کے امیرانہ مزاج اور نفاستِ طبع کے متعلق بھی آپ روشناس ہوئے۔ علمِ دین کی نسبت امام صاحب کے فقہ کی طرف راغب ہونے کے اسباب بھی آپ نے ملاحظہ کیے، اور پھر اس کے بعد امام صاحب کے اقوال بھی آپ نے پڑھے ہیں۔ ان تمام باتوں سے سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ فقہ کا تمام سرمایہ اور امام صاحب کی طرف منسوب اقوال، اور غرضیکہ امام صاحب کی زندگی کے حالات اِک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

دیگر آئمہ کے اقوال :

معن بن عیسٰی سے مروی ہے کہ اُنہوں نے امام مالکؒ کو کہتے سُنا کہ :

"إنما أنا بشر أخطئ وأصيب فانظروا في رأيي فكلما وافق الكتاب والسنة فخذوا به وما لم يوافق الكتاب والسنة فاتركوه"

امام شافعیؒ کا قول ہے : "ماقلت وكان النبي صلى الله عليه وسلم قد قال بخلاف قولي فما صح عن النبي صلى الله عليه وسلم أولى ولا تقلدوني وإذا صح خبر يخالف مذهبي فاتبعوه واعلموا أنه مذهبي"

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے : "لا تقلدني ولا مالكًا ولا الشافعي ولا الثوري وخذ من حيث أخذوا"

یہاں امام احمد بن حنبلؒ نے امام ابُوحنیفہ کا نام نہیں لیا۔ حالانکہ یہ امام احمد بن حنبل سب سے بعد ہُوئے ہیں۔ کیا اس سے یہ مقصد نہیں کہ امام مالکؒ اور شافعیؒ اور ثوریؒ کے مذاہب کی بنیاد تو قرآن و سنت پر ہے۔ اگر قرآن و سنت سے مسائل کے استنباط میں غلطی ہو جائے تو اُسے ترک کر دیا جائے۔ مگر جس مذہب کی بنیاد ہی قیاس و رائے پر ہو اُس کے متعلق کیا کیا جائے۔ کہ وُہ کیا چھوڑیں اور کیا پکڑیں؟ فافھم فتدبر۔

سطور بالا سے واضح ہو گیا کہ مخصوص امام کی تقلید قطعًا ناجائز ہے۔ امام ابن تیمیہ حنبلی کہتے ہیں۔ چاروں اماموں سے ثابت ہو گیا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو اپنی تقلید سے منع کیا ہے۔ اور یہی حکم دیا ہے کہ جب ان کو کوئی بات کتاب و سنت سے معلوم ہو جائے اور ان کے قول سے قوی تر ہو تو وہ اسی بات کو لیں جو کتاب و سنت سے معلوم ہوئی ہو۔ (فتاوٰی ابن تیمیہ)

بلیشک تمام آئمہ مجتہدین اپنے شاگردوں کو بظاہر کتاب و سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور کہتے تھے جب تم کو کوئی بات کتاب و سنت سے معلوم

ہو جائے تو ہماری بات کو دیوار پر دے مارو۔" (میزان شعرانی مطبوعہ مصر صفحہ ۴۶)

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں "تمام مجتہدین رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے" (حجۃ اللہ البالغہ)

"بیشک تمام جماعتِ فقہاء نے اپنی تقلید اور غیر کی تقلید سے منع کیا ہے۔"
(عقد الجید مطبوعہ صدیقی لاہور۔ صفحہ ۴۲)

جلال الدین سیوطی کہتے ہیں : "ہرگز نہیں روا رکھا مالکؒ، ابُوحنیفہؒ اور شافعیؒ نے کسی کے لیے اپنی تقلید کو بلکہ اُنہوں نے منع کیا اس سے اور کسی کو اس بات میں ڈھیل نہیں دی" (کتاب الرد علی من اخلد الی الارض)

الغرض کہاں تک انسان لیسے حوالوں کا استنباط کر سکتا ہے اور پھر اتنے اقوال کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جبکہ آئمہ اربعہ کے اقوال ہمارے سامنے موجود ہیں۔ سوچنے، سمجھنے اور غور کرنے والی بات صرف یہ ہے کہ آخر کتاب و سنت پر عمل کرنے کی بجائے ہم کیوں مخصوص افراد کے ایسے اقوال کو حرزِ جان بنائے رکھیں جنہوں نے بارہا خود اپنی زبان سے اپنی تقلید سے روکا ہو۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ۔ (بقرہ : ۱۶۶، ۱۶۷)

"جب تابعداری کرنے والے جن کی تابعداری کرتے تھے ان سے بیزار ہو جائیں گے اور ان کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے تو کہیں گے کاش کہ ہمیں ایک بار پھر دنیا میں لوٹنا ملے تو ہم ان سے اسی طرح بیزار ہوں جس طرح وُہ آج ہم سے بیزار ہُوئے ہیں۔ اسی طرح اللہ ان کے حسرت ناک اعمال اُن کو دکھائے گا۔ اور وُہ جہنم سے چھٹکارا نہیں پائیں گے۔"